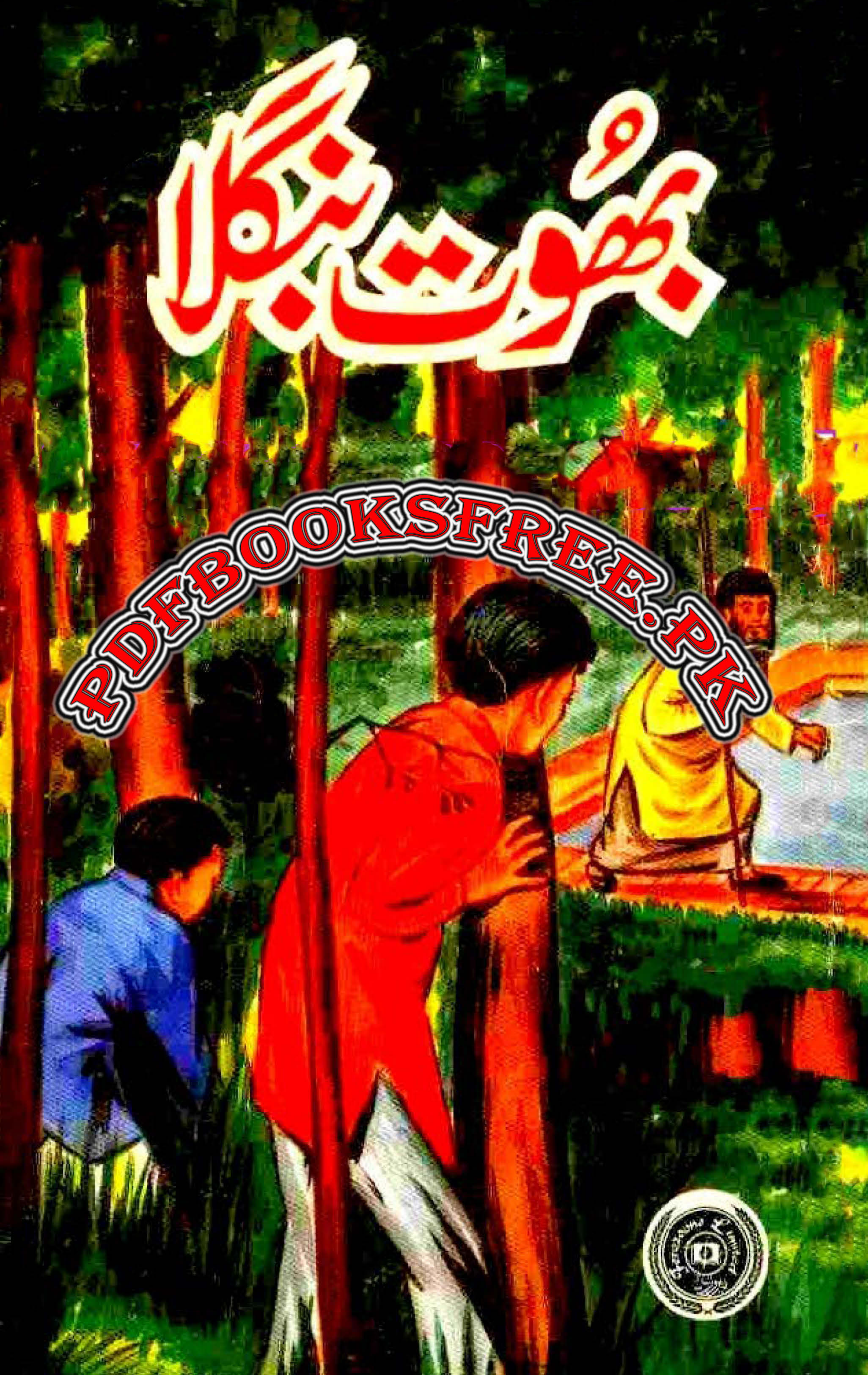
بھوت بنگلا
PDFBOOKSFREE.PK

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

پاکستان ورچوئل لائبریری پر موجود تمام کتابیں قارئین کے مطالعے اور دعوتی و اصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

PVL
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

بچوں کا مقبول ترین ٹیلی ویژن سیریل

بھوت بنگلا

محمد یونس حسرت

ی ناول پر مبنی ٹیلی ویژن سیریل پہلی مرتبہ اکتوبر ۱۹۸۶ - جنوری ۱۹۸۷ء کی سہ ما
ں ٹیلی کاسٹ ہوا اور بچوں کے پرزور اصرار پر جولائی ۱۹۹۳ء - اکتوبر ۱۹۹۳ء
کی سہ ماہی میں دوبارہ ٹیلی کاسٹ کیا گیا۔

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ
لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انتساب

محترمہ بشریٰ رفیق

کے نام

جن کی ذہانت آمیز محنت اور مہارت آمیز ہدایات
نے اس ناول کو بچوں کے منفرد اور مقبول ترین
ٹیلی ویژن سیریل کا روپ دیا

موتی باغ کا راز

جاوید نے سائیکل سٹیشن کے باہر سٹینڈ پر کھڑی کی، ٹکٹ گھر سے پلیٹ فارم ٹکٹ خریدا اور پلیٹ فارم پر پہنچ کر نارووال کی طرف سے آنے والی گاڑی کا انتظار کرنے لگا۔ اُس نے اپنے دوست اسلم کو گرمیوں کی تعطیلات کے کچھ دن پسرور میں اپنے ساتھ گزارنے کی دعوت دی تھی۔ اسلم نے یہ دعوت قبول کر لی تھی اور وہ آج پسرور پہنچ رہا تھا۔ جاوید اُسے لینے کے لیے ہی سٹیشن پر آیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد گاڑی آ گئی۔ اسلم کھڑکی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھڑا تھا۔ جاوید کو دیکھ کر اُس نے ہاتھ ہلایا۔ گاڑی ٹھہرتے ہی جاوید، اسلم کے ڈبّے کی طرف لپکا۔ دونوں دوست بڑی گرم جوشی سے گلے ملے۔ پھر اسلم نے جاوید کو اپنا اٹیچی کیس اور بیگ تھماتے ہوئے کہا۔

"تم ذرا انھیں سنبھالو میں گارڈ سے اپنی سائیکل لے آؤں۔"

جاوید نے اٹیچی کیس اور بیگ لے کر ایک بنچ پر رکھ دیا اور خود بھی بیٹھ گیا۔ اسلم جلدی سے گارڈ کی طرف لپکا اور بریک میں رکھی ہوئی سائیکل نکلوا لایا۔ بریک کا ڈبا گاڑی کے آخر میں تھا اور جس ڈبّے میں خود اُس نے سفر کیا تھا، وُہ کافی آگے تھا۔ اُس ڈبّے کے آگے ہی ایک بنچ پر جاوید نے اُس کا اٹیچی کیس اور بیگ رکھا تھا۔ پلیٹ فارم پر بہُت بھیڑ تھی۔ اسلم سائیکل لے کر بنچ کی طرف آ رہا تھا کہ سائیکل کا اگلا پہیا ایک شخص کی ٹانگوں میں جا گھسا۔ وُہ شخص دھم سے پلیٹ فارم پر گرا اور اس کا اٹیچی کیس ہاتھ سے چھوٹ کر اس بنچ پر جا گرا جہاں اسلم

کا اٹیچی کیس اور بیگ رکھا ہوُا تھا۔

"مجھے افسوس ہے جناب: میں مُعافی چاہتا ہوں میں نے جان بُوجھ کر ایسا نہیں کیا"—— اسلم نے گھبرا کر کہا۔

وُہ شخص کپڑے جھاڑتا ہوُا اُٹھا اور غُصّے بھری نظروں سے اسلم کی طرف دیکھنے لگا۔

وُہ مضبوط قد کاٹھ کا آدمی تھا اور اس کے چہرے پر گھنی اور بل کھائی ہوئی مونچھیں بڑی خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔ اُس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"باہر ہوتے تو میں تمھیں اس شرارت کا ایسا مزا چکھاتا کہ ساری عمر یاد رکھتے لاؤ دو میرا کیس"۔

جاوید سہم کر نیچے جُھکا اور اٹیچی کیس اُٹھا کر اس شخص کو دے دیا۔ وُہ کچھ دیر انھیں گھور گھور کر دیکھتا رہا اور پھر تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوُا چلا گیا۔

"آؤ گھر چلیں"۔ جاوید نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میرے شہر نے اس بُری طرح تمھارا استقبال کیا ہے۔ لیکن یہ خیال نہ کرنا کہ یہاں سب لوگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے ہی ہیں"۔
جاوید نے اٹیچی کیس اور بیگ سنبھال لیا اور اسلم نے سائیکل ۔ دونوں سٹیشن سے باہر آگئے اسلم نے سائیکل ایک جگہ کھڑی کی اور اٹیچی کیس اور بیگ جاوید کے ہاتھ سے لے کر سائیکل کے پیچھے باندھنے لگا ۔ جاوید سائیکل سٹینڈ سے اپنی سائیکل لینے چلا گیا تھا ۔

جب جاوید سائیکل لے کر آیا تو اسلم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اٹیچی کیس کو دیکھ رہا تھا ۔

"کیا بات ہے ؟ جاوید نے پوچھا

"یہ تو میرا اٹیچی کیس نہیں ہے" اسلم نے کہا ۔

"کیا ؟" جاوید کا منہ حیرت سے کھل گیا ۔

"یہ میرا اٹیچی کیس نہیں ہے" اسلم نے دوبارہ کہا یہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم غلطی سے کسی اور شخص کا اٹیچی کیس اٹھا لائے ہیں ۔ اس پر کسی کا نام بھی لکھا ہے ۔

اٹیچی کیس پر ایک چٹ لگی ہوئی تھی ۔ جاوید نے جھک کر دیکھا ۔ چٹ پر لکھا تھا ۔

"رستم علی خان ۔ موتی باغ پسرور (سیالکوٹ)"

"یہ تو بہت برا ہوا" جاوید بولا ۔

"بہت ہی برا ہوا" اسلم نے کہا "میرے کپڑے اسی میں تھے"

"اب کیا کیا جائے ؟ جاوید نے کہا "میرے خیال میں ہم گھبراہٹ میں اپنا اٹیچی کیس اس شخص کو دے آئے اور اس کا لے آئے ہیں"

"آؤ سٹیشن ماسٹر کے پاس چلتے ہیں" اسلم نے کہا "شاید وہ ہماری کچھ مدد کر سکے"

وہ سٹیشن ماسٹر کے پاس پہنچے اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا ۔ سٹیشن ماسٹر ان سے بڑی ہمدردی سے پیش آیا اور بولا ۔

"تم تو یونہی گھبرا گئے ہو بیٹا ! موتی باغ میں جا کر اپنا اٹیچی کیس لے آؤ اور اس کا دے آؤ"

دونوں دوست کھسیانے سے ہو کر سٹیشن ماسٹر کے دفتر سے نکل آئے ۔ اٹیچی کیس سائیکل کے پیچھے باندھا اور گھر کی طرف چل دیے ۔

راستے میں اسلم نے جاوید سے پوچھا ۔

"یہ موتی باغ کہاں ہے ؟"

"گھر چل کر بتاؤں گا" جاوید نے جواب دیا ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہاں کیوں نہیں؟" اسلم نے پوچھا۔

"یہ ایک کہانی لمبی ہے۔" جاوید بولا "کھانا وغیرہ کھا کر آرام سے سُننا۔"

گھر پہنچ کر اسلم نے غسل کیا اور پھر کھانا کھا کر دونوں آرام سے بیٹھ گئے۔

"ہاں بھئی! اب سُناؤ موتی باغ کی کہانی" اسلم نے کہا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" جاوید نے کہا —— اور پھر اُس نے کہنا شروع کیا۔

"موتی باغ شہر پسرور سے کوئی ایک میل کے فاصلے پر پُرانے زمانے کی ایک عمارت ہے اور عرصے تک غیر آباد رہنے کی وجہ سے شکستہ حالت میں ہے۔ خود پسرور بہت قدیم شہر ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اسے پارا سُرور نامی ایک راجا نے آباد کیا تھا اور اسی کے نام پر اس کا نام پارا سُرور پڑا جو بعد میں پسرور بن گیا —— لیکن موتی باغ کی عمارت مسلمان بادشاہوں کے زمانے کی بنی ہوئی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص سلطان خان کو یہاں کچھ رقبہ انعام کے طور پر ملا تھا۔ اُس

نے اپنی رہائش کے لیے شہر کے باہر ایک عمارت تعمیر کرائی اور اس کا نام اپنی پیاری اور اکلوتی بیٹی موتی کے نام پر موتی باغ رکھا۔ یہ عمارت لمبے چوڑے رقبے میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے اندر ایک بڑا سا تالاب ہے اور ایک گھنا باغ بھی ہے۔ عمارت کے اِرد گِرد ایک اُونچی اور مضبوط فصیل ہے۔ اس فصیل کا صرف ایک دروازہ ہے اور دروازے کے اندر داخل ہونے کے بعد خاصا فاصلہ طے کرکے وُہ کوٹھی یا بنگلہ آتا ہے جس میں سلطان خان رہتا تھا۔

"تم کبھی اندر گئے ہو؟" اسلم نے پُوچھا۔

"نہیں بھئی۔" جاوید نے کہا "مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہُوا اور نہ ضرورت ہی پیش آئی —— یہ باتیں تو دادا جان نے بتائی تھیں اور اُنھی کا یہ کہنا ہے کہ یہ موتی باغ آسیب زدہ ہے۔ یعنی اس میں بُھوت رہتے ہیں۔"

"بھ بھ بُھوت!" اسلم اُچھل پڑا۔

"ہاں!" جاوید نے کہا "اسی لیے موتی باغ آج تک آباد نہیں ہو سکا۔ دادا جان بتاتے ہیں کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سلطان خان جاگیردار کی لڑکی موتی بڑی ضدی اور مغرور تھی ـــــ نوکروں اور خادموں سے بات بات پر اُلجھتی اور ذرا ذرا سے قصور پر اُنھیں سخت سزائیں دیتی ۔ کرنا خُدا کا کیا ہُوا کہ ایک دن ایک پھیری والا سامان بیچتا ہُوا موتی باغ میں آ گیا ۔ موتی اُس سے کچُھ چیزیں خریدنے لگی لیکن قیمت پر اس کے اور پھیری والے کے درمیان تکرار ہو گئی ۔ موتی نے غُصّے میں آ کر پھیری والے کو تالاب میں دھکا دے دیا ۔ سوداگر تالاب میں ڈوب کر مر گیا لیکن مرتے ہوئے اس نے بد دُعا دی کہ جس طرح تم نے مجُھے پانی میں پھینکا ہے ، اسی طرح خُدا تمھیں اور موتی باغ میں رہنے والوں کو بھی پانی میں پھینک دے ۔ اس واقعے کو ہفتہ بھی نہ ہُوا ہو گا کہ موتی تالاب میں ڈوب کر مر گئی ۔"

"تو یہ سوداگر کی بد دُعا کا اثر تھا ؟" اسلم نے کہا ۔

"کون جانے ؟" جاوید نے جواب دیا " یہ ایک اتّفاقی حادثہ بھی تو ہو سکتا ہے ۔ بہر حال ، سلطان خان کی بیوی بہُت پہلے مر چکی تھی ۔ اب جو بیٹی

بھی تالاب میں ڈوب کر مر گئی تو اُس نے دوسری شادی کر لی تاکہ اُس کا نام چلے ۔ اس شادی سے اس کے ہاں چھ بچّے ہوئے جن میں سے تین موتی باغ کے تالاب میں ڈوب گئے ۔ ہاں ، سلطان خاں کی موت کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے ۔ وُہ ایک دن گھوڑے پر سوار ہو کر بادشاہ کے دربار میں جانے کے لیے روانہ ہُوا ۔ جب وُہ دریا کے پُل پر سے گزرا تو پُل کی دوسری طرف سے ایک گھوڑا گاڑی آئی جسے دیکھ کر سلطان خاں کا گھوڑا کچھ اس بری طرح بدکا کہ گھوڑا اور سوار دونوں دریا میں جا گرے ـــــ گھوڑا تو دریا میں سے زندہ سلامت نکال لیا گیا لیکن سلطان خاں ڈوب کر مر گیا ـــــ اس کی لاش تک بھی نہیں مل سکی ۔"

"بڑی حیرت کی بات ہے ۔" اسلم نے کہا

" سلطان خان کی موت کے بعد اس کے وارث موتی باغ میں رہتے تھے لیکن اُن میں سے کچُھ لوگوں نے چاندنی راتوں میں اُس پھیری والے کی روح کو موتی باغ کے تالاب کے گرد چکر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگاتے دیکھا ـــــ جب وہ روح نظر آتی تو اس کے چند دن بعد موتی باغ میں کسی نہ کسی شخص کی موت واقع ہو جاتی ۔ ان لوگوں نے خوف زدہ ہو کر موتی باغ کو چھوڑ دیا اور اس کے بعد یہ عمارت ویران ہو گئی ۔"

" اور اب رُستم علی نے اُسے آباد کیا ہے ؟" اسلم نے پُوچھا ۔

" ہاں " جاوید نے کہا " اور یہی بات اچنبھے کی ہے ۔ شہر کے لوگوں کو کچھ نہیں معلوم کہ یہ رستم علی کون ہے ، کہاں سے آیا ہے اور کیا کرتا ہے ۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ اس شخص نے موتی باغ کی عمارت سلطان خان کے وارثوں سے خرید لی ہے ۔ جو اب سیالکوٹ میں رہتے ہیں ۔ رُستم علی کو یہاں آئے تین سال ہوئے ہیں ۔ اس نے عمارت کا کچھ حصہ مرمت کرا کے رہنے کے قابل بنا لیا ہے ۔ باغ کا پھاٹک ہر وقت بند رہتا ہے ۔ یہ تو معلوم ہے کہ اس کے اندر لوگ رہتے ہیں مگر وہ کس وقت باہر نکلتے ہیں اور کیا کرتے ہیں ؟ یہ کسی کو معلوم نہیں ۔"

" یہ تو پھر دیکھنے کے قابل چیز ہے ۔" اسلم نے کہا ۔

" وہ تو تم دیکھ ہی لو گے " جاوید نے کہا " تمھیں اپنا اٹیچی کیس بھی تو لانا ہے ۔"

" بہت خوب " اسلم نے کہا " ہمیں ابھی چلنا چاہیے ۔"

" صبر سے کام لو " جاوید نے کہا " دوپہر کا وقت ہے ۔ ذرا دن ڈھل جائے ـــــ اس وقت تو ابا جان ہمیں باہر نہیں جانے دیں گے اور اگر انھیں یہ پتا چل گیا کہ ہم موتی باغ جانا چاہتے ہیں تو پھر کسی قیمت پر بھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

" کیوں ؟ " اسلم نے حیرانی سے پُوچھا

" اس لیے کہ موتی باغ میں بھوت رہتے ہیں " جاوید ہنس کر بولا ۔

سہ پہر کو دونوں دوست گھومنے پھرنے کے بہانے گھر سے نکلے اور سائیکلوں پر سوار ہو کر چل دیے ان کی منزل موتی باغ تھی اور سائیکل کے پیچھے انھوں نے وہ اٹیچی کیس باندھ رکھا تھا جس پر " رُستم علی ، موتی باغ ، پسرور (سیالکوٹ) لکھا ہوا تھا موتی باغ آبادی سے کافی فاصلے پر تھا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس طرف جانے والی سڑک بھی موتی باغ کی طرح شکستہ اور ویران تھی۔ کہیں کہیں ٹوٹی ہوئی اینٹوں کے ٹکڑے یہ ظاہر کرتے تھے کہ کسی زمانے میں یہ سڑک پکی اینٹوں کی بنی ہوئی ہوگی۔ باغ کے پھاٹک کے قریب پہنچ کر انھوں نے سائیکلیں ایک طرف کھڑی کر دیں۔

"تم چل کے دروازہ کھٹ کھٹاؤ۔ میں اٹیچی کیس لے کر آتا ہوں" اسلم بولا

جاوید نے آگے بڑھ کر دو ایک بار پھاٹک پر دستک دی۔

"ایسے نہیں ذرا زور سے پیٹو" اسلم بولا

جاوید نے ایسا ہی کیا۔ لیکن اس کے جواب میں بھی اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔ دروازہ بہت پرانا تھا۔ لکڑی میں جگہ جگہ دیمک لگ گئی تھی اور اِدھر اُدھر جالے بھی تنے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دروازہ صدیوں سے بند ہے۔ دیوار بھی بہت مضبوط تھی اور اس کے اُوپر کانچ کے نوکیلے ٹکڑے لگے ہوئے تھے تاکہ کسی کو پھاندنے کی جرأت نہ ہو۔

وہ پیچھے ہٹ گئے اور سوچنے لگے کہ اب کیا کیا جائے؟ اُن کا خیال تھا کہ ہم موتی باغ جائیں گے اور اس کے مالک سے کہیں گے کہ غلطی سے آپ کا اٹیچی کیس ہمارے اٹیچی کیس کے ساتھ تبدیل ہو گیا ہے — پھر اس کا اٹیچی کیس اس کے حوالے کر کے اپنا اٹیچی کیس واپس لے لیں گے۔ لیکن یہاں تو مُعاملہ ہی دوسرا تھا۔ وُہ دروازہ پیٹتے پیٹتے تھک گئے تھے مگر نہ تو دروازہ کھُلا اور نہ اندر سے کسی کی آواز آئی۔

اسلم دروازے کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا — وُہ کچھ سوچ کر بولا۔

"اگر ہم کوشش کریں تو دروازے کو پھاند کر اندر جا سکتے ہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" جاوید نے کہا "اتنا اُونچا دروازہ ہے اور پھر دیوار پر نکیلے شیشے لگے ہوئے ہیں۔"

"وُہ تو مجھے بھی دکھائی رہے ہیں۔" اسلم نے کہا "لیکن ہم ذرا احتیاط کریں تو ان شیشوں سے بچ سکتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لیکن اس کا فائدہ؟" جاوید نے کہا۔

"فائدہ یہی ہے کہ اندر جا کر ہم یہ معلوم کر سکیں گے کہ یہاں کوئی رہتا بھی ہے یا نہیں۔"

"کسی نے دیکھ لیا تو شامت آ جائے گی۔" جاوید نے کہا۔

"کوئی نہیں دیکھے گا۔" اسلم نے کہا "ہم پچیس تیس منٹ سے یہی کوشش تو کر رہے ہیں کہ کوئی ہمیں دیکھ لے تاکہ ہم اس سے بات کر سکیں آؤ مجھے سہارا دو۔"

جاوید نے اٹیچی کیس زمین پر رکھ دیا اور دروازے کے قریب کھڑا ہو گیا۔ اسلم اس کے ہاتھوں کا سہارا لے کر دروازے پر چڑھنے لگا۔

اسلم کا ہاتھ مشکل سے دیوار تک پہنچا ہو گا کہ جاوید کو دروازے کے اندر گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی گاڑی اندر سے دروازے کی طرف آ رہی ہے۔

جاوید نے گھبرا کر اسلم کو نیچے آنے کے لیے کہا اور اسلم نے گھبرا کر دیوار سے ہاتھ ہٹایا تو دھڑام سے جاوید کے اوپر آ گرا۔ شکر ہے

کہ چوٹ کسی کو نہیں آئی۔

دونوں دوستوں نے جلدی سے سائیکلیں سڑک کے قریب جھاڑیوں کی آڑ میں کھڑی کر دیں اور اٹیچی کیس لے کر خود بھی جھاڑیوں میں جا چھپے۔ لیکن نظریں برابر دروازے پر لگی تھیں ——— انھوں نے دروازے کے قریب کسی کار کے رکنے کی آواز سنی۔ پھر تالا کھلنے کی آواز آئی اور اس کے بعد پھاٹک کے دونوں پٹ کھل گئے اور کار باہر آ کر رک گئی۔ کار سے ایک شخص نکلا۔ اس نے دروازے میں تالا لگایا اور پھر کار میں بیٹھ کر چلا گیا ——— یہ کار سیاہ رنگ کی تھی۔

جاوید اور اسلم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ——— انھوں نے اس آدمی کو پہچان لیا تھا ——— یہ وہی شخص تھا جس سے ان کی ملاقات سٹیشن پر ہوئی تھی ———

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اٹیچی کیس کی واپسی

جاوید اور اسلم جھاڑیوں سے نکلے اور حیرانی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"ہم بھی عجیب آدمی ہیں۔ بھلا ہمیں چھپنے کی کیا ضرورت تھی۔" جاوید بولا "ہم اس شخص کو اس کا اٹیچی کیس دینے آئے تھے لیکن اسے دیکھتے ہی ایسے جھاڑیوں میں چھپ گئے جیسے چوہے بلی کو دیکھ کر بلوں میں جا چھپتے ہیں۔ وہ ہمیں کھا تھوڑی جاتا۔"

"یہ تو واقعی ہم نے عجیب حرکت کی ہے۔" اسلم کہنے لگا "ہم نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس پر شرمندہ ہونے کی ضرورت ہو۔ ہم تو اس کا اٹیچی کیس دینے آئے تھے۔"

"لیکن سوال یہ ہے" جاوید نے کہا کہ اب کیا کیا جائے۔ ہم یہاں کھڑے ہو کر اس کا انتظار تو کر نہیں سکتے۔ نہ معلوم وہ کب واپس آئے۔ آئے بھی یا نہیں؟ کیا خیال ہے! ہم اٹیچی کیس سٹیشن ماسٹر کو دے آئیں یا یہیں دروازے کے سامنے رکھ کر چلے جائیں۔ وہ واپس آئے گا تو خود ہی اٹھا لے گا۔"

"ہم سٹیشن ماسٹر کے پاس نہیں جائیں گے" اسلم نے کہا "وہ لوگ ہمارا مذاق اڑائیں گے۔ ہم اسے دروازے پر رکھ کر بھی نہیں جا سکتے ——— ہو سکتا ہے اس کے بجائے کوئی اور شخص اٹھا لے جائے ——— اور پھر مجھے اپنا اٹیچی کیس بھی تو واپس لینا ہے۔ آؤ ذرا بیٹھ کر کچھ سوچتے ہیں۔"

انھیں بیٹھے ہوئے چند منٹ ہی ہوئے تھے۔ کہ قریب کی ایک جھاڑی میں حرکت ہوئی اور اس کے ساتھ ہی آواز آئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ارے بھئی! تمھیں کیا مشکل پیش آ گئی ہے؟"
جاوید اور اسلم ایک دم اُچھل کر کھڑے ہو گئے ان کے سامنے ایک لمبا تڑنگا، دوہرے بدن کا ایک نوجوان کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مُسکراہٹ تھی اور وُہ شکل وصورت سے پڑھا لکھا، شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔ چند لمحے وُہ خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر جاوید نے پُوچھا "آپ کی تعریف؟"

نوجوان نے مُسکرا کر کہا "میرا نام خالد ہے —— خالد احمد صدّیقی —— کچھ لوگ مجھے صدیقی صاحب کہتے ہیں اور کچھ خالد صاحب۔ جو بے تکلّف دوست ہیں وُہ خالد کہتے ہیں اور جو بہت ہی بے تکلّف دوست ہیں وُہ خالی کہہ لیتے ہیں۔"

"خالی!" اسلم نے حیرانی سے کہا "یہ تو کوئی اچھا نام نہیں ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے" خالد نے مُسکراتے ہوئے کہا "تم چاہو تو تم بھی مجھے خالی کہہ سکتے ہو —— میں بُرا نہیں مانوں گا۔"

لیکن آپ یہاں کیسے آ گئے خالد صاحب؟ جاوید نے پوچھا "ہم نے تو آپ کو آتے ہوئے دیکھا نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" خالد نے جواب دیا "میں تمھارے آنے سے پہلے یہاں موجود تھا۔ میں نے تمھیں آتے اور دروازے پر چڑھنے کی کوشش کرتے دیکھا تھا —— میں اب یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم کیا کرتے ہو۔ لیکن میں اپنی حیرت پر قابو نہیں پا سکا اور دریافت کرنے چلا آیا۔ تم اگر بُرا نہ مانو تو کیا میں یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ یہ کیا چکر ہے؟"

جاوید اور اسلم نے سارا ماجرا خالد کو سنا ڈالا خالد سُنتے ہی اُچھل پڑا اور کہنے لگا۔

"بھئی! یہ بھی ایک عجیب اتّفاق ہے۔ بہت ہی عجیب اتّفاق۔ میں تو اسے اپنی خوش قسمتی ہی کہوں گا۔ کئی دن سے میں اس کوشش میں سر کھپا رہا ہوں کہ کسی بہانے موتی باغ کے اندر جا سکوں یا اس کے مالک ہی سے مل لوں۔ یہ اٹیچی کیس اس کے لیے بڑا اچھا بہانہ بن سکتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ اندر کیوں جانا چاہتے ہیں؟" جاوید نے پوچھا "اندر کوئی گڑبڑ ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم کہ کوئی گڑبڑ ہے یا نہیں" خالد نے کہا "لیکن مجھے اس باغ سے دلچسپی ضرور ہے۔ اسی لیے میں کئی دنوں سے موتی باغ کی نگرانی کر رہا ہوں —— میں نے کئی عجیب باتیں دیکھی ہیں۔ لیکن گڑبڑ والی کوئی بات ابھی تک نہیں دیکھی —— اس کے بارے میں تمھیں پھر کسی وقت بتاؤں گا۔ اس وقت تو ہمیں اس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہیے جو قدرت نے ہمیں بخشا ہے۔ میرے خیال میں ہمیں انتظار کرنا چاہیے۔ وہ تھوڑی دیر میں واپس آ جائے گا۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" اسلم نے پوچھا

"اندازے سے" خالد نے جواب دیا "میرا خیال ہے کہ اُسے اپنے اٹیچی کیس کے گم ہو جانے کا پتا ابھی چلا ہے اور وہ سٹیشن گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں سے سٹیشن تک جانے اور واپس آنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"

جاوید اور اسلم نیچے گھاس پر بیٹھ گئے اور نقا…
بھی اُن کے پاس ہی بیٹھ گیا —— خالد کا اند…
درست نکلا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اُنھیں ناہموار…
سڑک پر کار کے پہیوں کی آواز سنائی دی اور…
پھر وہ کار بھی نظر آ گئی جو تھوڑی دیر پہلے…
گئی تھی۔
"تم سب کام مجھ پر چھوڑ دو" یہ کہہ کر خالد…
نے اٹیچی کیس اُٹھا لیا۔
کار کو وہی خوفناک شخص چلا رہا تھا۔ اُس…
دروازے کے قریب آ کر کار روکی اور دو لڑکوں…
اور ایک نوجوان کو سامنے کھڑے دیکھا تو غصّے…
سے اس کی آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔ اس کے…
ساتھ ہی اس کی نظریں اپنے اٹیچی کیس پر پڑیں…
وُہ کار سے نِکل کر تیزی سے اٹیچی کیس پر…
جھپٹا۔
خالد نے فوراً اپنا اٹیچی کیس والا ہاتھ پیچھے…
کر لیا اور بولا۔
"میرا خیال ہے، یہ آپ کا اٹیچی کیس ہے"
"ہاں یہ ان بدمعاشوں نے چُرا لیا تھا۔" اُس…

شخص نے جاوید اور اسلم کی طرف اشارہ کر کے کہا
"لاؤ یہ مجھے واپس کر دو۔"
اُس کی آواز چیخ بلکہ چنگھاڑ معلوم ہو رہی تھی
مگر خالد نے بڑے اطمینان سے کہا۔
"لیکن پہلے آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ آپ
کا اٹیچی کیس کسی نے چُرایا نہیں تھا۔ ان لڑکوں
نے گھبراہٹ میں آپ کے اٹیچی کیس کے بجائے
اپنا اٹیچی کیس آپ کو دے دیا تھا۔ اب آپ
ان کا اٹیچی کیس بھی واپس کر دیں۔"
ایک لمحے کے لیے یوں نظر آیا جیسے وُہ شخص
آپے سے باہر ہو جائے گا۔ لیکن کچھ سوچ کر
وُہ کار کی طرف مُڑا اور اس کے اندر سے
ایک اٹیچی کیس نکال کر اسلم کے ہاتھ میں
دے دیا۔
"یہ ہے تمھارا اٹیچی کیس" اُس کی آواز ایسے
تھی جیسے کوئی سانپ پھنکار رہا ہو۔
"اور یہ رہا آپ کا اٹیچی کیس" خالد نے
اُسے اٹیچی کیس دیتے ہوئے کہا۔
اُس شخص نے بڑی بے تابی سے اٹیچی کیس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُٹھایا، جلدی سے اُسے ایک نظر دیکھا اور کچھ کہے بغیر اُسے کار میں رکھ دیا۔ اس کے بعد اُس نے دروازے کا قفل کھولا، کار اندر لے گیا، دروازہ دوبارہ بند کیا اور تیزی سے کار چلاتا ہوا چلا گیا۔

جاوید اور اسلم نے اطمینان کا سانس لیا اور خالد نے جیسے خوش ہو کر کہا۔

"بہت اچھا ہوا ——— بہت ہی اچھا ہوا آخر میری ملاقات موتی باغ کے مالک رُستم علی سے ہو ہی گئی ——— بہت دلچسپ آدمی ہے۔"

"اور آپ بھی تو بہت دلچسپ ہیں" جاوید نے خالد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "خوب ہاتھ دکھائے آپ نے بھی ——— کمال کر دیا"

"اور اب بتائیے کہ یہ کیا چکر ہے؟" اسلم نے کہا "آپ کو رُستم علی سے کیا دلچسپی ہے؟ آپ کون ہیں اور یہاں کیا کرتے پھر رہے ہیں؟"

"بھئی ایک وقت میں صرف ایک سوال پوچھنا چاہیئے" خالد نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا ——— اور پھر سنجیدہ ہو کر کہنے لگا۔

"دیکھو میرا خیال ہے کہ تم دونوں لڑکے بھروسے کے قابل ہو۔ پہلے مجھے یقین نہیں تھا لیکن اب پُورا یقین ہے کہ موتی باغ کے اندر کچھ گڑبڑ ضرور ہے ——— یہ کیوں ہے اور کیا ہے؟ اس کے بارے میں تو میں ابھی تمھیں کچھ نہیں بتاؤں گا کیونکہ یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ لیکن مجھے تمھاری مدد کی ضرورت ضرور ہے۔ اور مجھے یقین کہ تم میری بہت کچھ مدد کر سکو گے۔ میں یہاں گرینڈ ہوٹل کے کمرہ نمبر 10 میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ تم کل دس بجے وہاں آ جانا ——— وہاں اطمینان سے باتیں ہوں گی۔ اب تم جاؤ، مجھے کچھ کام کرنا ہے۔"

دونوں دوستوں نے جھاڑیوں میں سے سائیکلیں اُٹھائیں۔ اٹیچی کیس سائیکل کے پیچھے رکھا اور واپس گھر کی طرف روانہ ہوئے ——— اُنھیں یُوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اُن کے سر سے ایک بہت بھاری بوجھ اُتر گیا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شکار

اگلے دن دونوں دوست خالد سے ملنے کے لیے گرینڈ ہوٹل پہنچے۔ گرینڈ ہوٹل نام ہی کا گرینڈ تھا۔ اس کی عمارت کافی پرانی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کسی پرانی حویلی کی مرمت کر کے اُسے ہوٹل کی شکل دے دی گئی ہے۔ لیکن اس کا مالک اپنے گاہکوں کے آرام کا خاص خیال رکھتا تھا۔ اس لیے ظاہری شکل اچھی نہ ہونے کے باوجود اُسے گاہکوں کی کمی کی شکایت کبھی نہیں ہوئی۔

خالد برآمدے میں بیٹھا ان کا انتظار کر رہا تھا اُس نے پہلے تو انھیں بڑے اِصرار سے چائے پلائی۔ پھر ہوٹل کے پیچھے ایک چھوٹے سے باغ میں لے گیا۔ وہاں ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر تینوں باتیں کرنے لگے۔

"دیکھو بھئی! تم میرے متعلق کچھ ایسی ویسی بات مت سوچنا" خالد نے مُسکرا کر کہا "میں نہ تو خُفیہ پولیس کا آدمی ہوں اور نہ کوئی جاسوس۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ جس طرح آج کل تم چھٹیاں منا رہے ہو۔ میں بھی چھٹی پر ہوں — یا یوں کہہ لو جس طرح اسلم اپنے دوست جاوید سے ملنے پسرور آیا ہے، اسی طرح میں اپنے ایک دوست سے ملنے پسرور آیا تھا۔ دوست تو ملا نہیں۔ میں نے سوچا کہ اخبار کے لیے کوئی خبر ہی مل جائے۔"

"اخبار کے لیے خبر؟" اسلم نے کہا "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے کہ میں لاہور کے ایک اخبار میں کام کرتا ہوں۔ میرا کام یہ ہے کہ گھوم پھر کر خبریں جمع کروں۔ یہاں پسرور میں میرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک دوست رہتا تھا اس سے ملے کئی سال ہو گئے ہیں۔ میں دفتر سے چند دن کی رُخصت لے کر اُس سے ملنے یہاں چلا آیا۔ لیکن یہاں آ کر پتا چلا کہ وُہ کسی اور جگہ چلا گیا ہے۔ پھر میرے کان میں موتی باغ کی بھنک پڑی۔ تم جانو ہم اخبار والوں کے کان تو ایسی بات سُنتے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں ــــ میں دوست سے ملاقات کا خیال چھوڑ کر موتی باغ کے چکّر میں پڑ گیا ــــ میں نے سوچا کہ اس طرح اخبار کے لیے بڑی مزیدار خبر ہاتھ آ جائے گی۔"

"پھر؟" جاوید نے پُوچھا۔

"میں نے لوگوں سے موتی باغ کے متعلّق پُوچھا۔ اُنھوں نے مجھے وُہ تمام پُرانی کہانیاں سنائیں جو موتی باغ کے متعلّق مشہور ہیں، لیکن اِن کہانیوں سے کہیں زیادہ مجھے اس بات پر تعجّب ہُوا کہ تین سال سے ایک شخص یہاں رہ رہا ہے۔ اور وُہ بڑی پُر اَسرار زندگی گزار رہا ہے۔ شہر کے کِسی شخص سے اُس کا میل جول نہیں اور نہ کسی کو موتی باغ کے اندر

جانے کی اجازت ہے۔ لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ دن کے وقت تو موتی باغ باہر سے بالکل اُجاڑ اور سُنسان نظر آتا ہے لیکن رات کے وقت کئی گاڑیاں اندر جاتی اور باہر آتی دیکھی گئی ہیں ــــ ان گاڑیوں میں کیا چیز ہوتی ہے؟ یہ کسی کو پتا نہیں ــــ اب میں نے خود تحقیق کرنے کا فیصلہ کیا ہے کہ ان باتوں میں سچ کِتنا ہے اور جھُوٹ کتنا!"

"پھر کیا کُچھ معلُوم بھی ہُوا؟" اسلم نے پُوچھا۔

"بہت کُچھ" خالد نے کہا "پہلے میں دو دن تک موتی باغ کے اِرد گِرد پھرتا رہا۔ ان دو دنوں میں ایک شخص کو بھی میں نے باغ کے اندر داخل ہوتے یا باہر نکلتے نہیں دیکھا۔ پھر میں نے رات کے وقت قِسمت آزمانے کا فیصلہ کیا ابھی تین دن کی بات ہے کہ ایک رات میں نے دیکھا کہ کوئی شخص اس سڑک پر چکّر لگا رہا ہے۔ پہلے تو میں کُچھ نہ سمجھا لیکن تھوڑی دیر دیکھنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کا چکّر لگانا بے مقصد نہیں۔ وُہ پہرا دے رہا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر مجھے ایک اور دلچسپ بات معلوم ہوئی۔ بڑی سڑک کے جس مقام سے یہ چھوٹی اور کچی سڑک نکلتی ہے، وہاں ایک کھیت کے کونے میں ایک ٹوٹا پھوٹا مکان ہے۔ اس کی چھت بھی آدھی سے زیادہ غائب ہے ——— باقی چھت یوں لگتا ہے کہ کسی وقت بھی گر سکتی ہے۔ اس مکان کے اندر ایک خفیہ ٹیلی فون لگا ہوا ہے۔ جس کے ذریعے موتی باغ میں رہنے والوں سے بات کی جاتی ہے۔" رات کے وقت موتی باغ میں کئی کاریں آتی جاتی ہیں۔ انھیں شاید خفیہ ٹیلی فون سے ہدایت مل جاتی ہوگی کہ بڑی سڑک پر کوئی ٹریفک نہیں ہے اور میدان صاف ہے۔"

"یہ تو بہت الجھا ہوا معاملہ ہے۔" جاوید نے کہا۔

"ہاں" خالد بولا "مجھے بھی کچھ ایسا ہی نظر آتا ہے۔ میں نے اتنی ہی باتیں معلوم کی تھیں کہ کل تم سے ملاقات ہو گئی۔ یہ میری بہت بڑی خوش قسمتی تھی کیونکہ میں کوشش کے باوجود رستم علی سے ملنے یا اسے دیکھنے میں کامیاب

نہیں ہو سکا تھا۔ پھر جو کچھ ہوا وہ تم دونوں کو معلوم ہی ہے۔" اتنا کہہ کر وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا اور پھر بولا "ایک بات کا مجھے افسوس ہے۔"

"کس بات کا؟" اسلم نے کہا۔

"رستم علی اس اٹیچی کیس کو واپس حاصل کرنے کے لیے بہت بے تاب نظر آتا تھا۔ تم نے دیکھا کہ وہ کس طرح اس کو چھیننے کے لیے جھپٹا تھا اور پھر جب اسے وہ مل گیا تو فوراً اندر چلا گیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس اٹیچی کیس میں اس کی کوئی بہت ہی قیمتی چیز تھی ——— ہو سکتا ہے کوئی خاص کاغذ، دستاویز یا کچھ اور ہو——— اب میں سوچتا ہوں تو افسوس ہوتا ہے کہ ہم نے وہ اٹیچی کیس اسے واپس کیوں دیا۔"

"لیکن مجھے تو ایک اور ہی بات پریشان کر رہی ہے۔" جاوید نے کہا۔

"کیا؟" خالد نے پوچھا

"آپ وہاں کیا کر رہے تھے؟" جاوید نے کہا "ظاہر ہے کہ آپ کو ہمارا انتظار تو ہو نہیں سکتا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وُہ میں ابھی بتائے دیتا ہوں" خالد نے کہا۔
"میں نے اب تک موتی باغ کے متعلق جو کچھ سُنا اور دیکھا تھا، اس سے میرے دل میں شوق پیدا ہوا کہ کسی طرح باغ کو اندر سے بھی دیکھ لوں۔ یہ سوچ کر میں نے فیصلہ کیا کہ باغ کی فصیل کو دن میں غور سے دیکھا جائے۔ ممکن ہے کوئی جگہ ایسی مل جائے جہاں سے باغ کے اندر داخل ہُوا جا سکے ـــ میں کل سہ پہر یہی کام کر رہا تھا اور مجھے ایک ایسی جگہ نظر بھی آ گئی تھی لیکن اس سے فائدہ اُٹھانے کی کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی ـــ لیکن اب ایک ترکیب مجھے سوجھی ہے ـــ تم اگر میری مدد کرو۔ تو موتی باغ کے اندر کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔"

اسلم نے کہا "آپ حکم دیں۔ ہم انکار نہیں کریں گے ـــ بتائیے ہمیں کیا کرنا ہو گا؟"

"دیکھو بھئی" خالد نے کہا "تم جانتے ہو کہ اس علاقے میں بہت سے چھوٹے چھوٹے برساتی نالے ہیں جو آگے جا کر نالہ ڈیک میں مل جاتے ہیں۔ ایسا ہی ایک چھوٹا سا برساتی نالہ موتی باغ میں

سے ہو کر گزرتا ہے۔ جس جگہ سے یہ نالہ باغ کے اندر داخل ہوتا ہے وُہ دروازے کے بالکل قریب ہے لیکن جس جگہ یہ نالہ باغ سے باہر نکلتا ہے وُہ دروازے سے دُور ہے۔ اس جگہ دیوار کے نچلے حصّے میں ایک محراب نما موری بنا دی گئی ہے تاکہ پانی کو گزرنے کا راستہ مل سکے۔ یہ موری مجھ جیسے آدمی کے گزرنے کے لیے تو بہت چھوٹی ہے لیکن ایک لڑکا اس میں سے آسانی سے گزر سکتا ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ ہم اس موری کے راستے موتی باغ کے اندر جائیں اور دیکھیں کہ وہاں کیا کچھ ہے؟" اسلم نے پوچھا۔

"ہاں" خالد نے جواب دیا۔

"اس میں تو پانی ہو گا" جاوید نے کہا۔

"ہے تو سہی لیکن زیادہ نہیں" خالد نے کہا

"اگر کسی نے دیکھ لیا تو؟" اسلم نے کہا۔

"تم کہہ دینا کہ ہم مچھلیاں پکڑ رہے ہیں" خالد نے کہا "بہت سے لوگ ان برساتی نالوں میں سے مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ دو آدمی ایک کپڑے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کنارے پکڑ کر نالے کے اوپر کی طرف چلتے ہیں
پانی کپڑے میں سے گزرتا جاتا ہے اور مچھلیاں
کپڑے میں رہ جاتی ہیں۔"

"ہاں" جاوید نے کہا، "میں نے ٹھیک نالے پر
اس طرح سے مچھلیاں پکڑتے کئی لوگوں کو دیکھا
ہے۔"

"تو بس یہاں بھی اسی طرح کرنا" خالد نے کہا:
"لیکن یہ صرف ایک بہانہ ہوگا جو تم اس وقت
کرو گے جب کوئی آدمی تمھیں دیکھ لے۔ تمھارا
اصل مقصد تو موتی باغ کے اندر داخل ہونا ہے"

"ہم سمجھ گئے ہیں" جاوید نے کہا "اچھی طرح
سمجھ گئے ہیں۔"

انھوں نے فوراً پروگرام طے کیا اور اُسی روز
سہ پہر کے وقت اس مُہم پر روانہ ہونے کا فیصلہ
کر لیا۔ پھر وہ خالد سے رخصت ہو کر گھر آئے
دوپہر کا کھانا کھایا ذرا آرام کیا اور سہ پہر کے
وقت گھر سے نکل کھڑے ہوئے —— مچھلیاں
پکڑنے کے لیے انھوں نے گھر سے اجازت لے
لی تھی۔

دونوں دوست نالے پر پہنچے۔ کچھ دُور تک
تو وہ نالے کے ساتھ ساتھ چلتے اور پانی کو
دیکھتے رہے۔ پھر جاوید نے کہا۔

"اس میں تو بہت ہی کم پانی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ قسمت ہمارا ساتھ دے
رہی ہے۔" جاوید نے کہا۔

دونوں دوستوں نے جوتے اُتار کر گلے میں
باندھ لیے پھر وہ کپڑا کھولا جو وہ اپنے ساتھ
لائے تھے۔ اس کا ایک سرا جاوید نے پکڑا
اور دوسرا سرا اسلم نے اور دونوں نالے میں
اُتر کر اُوپر کی طرف چلنے لگے۔ کچھ دیر تک
اس طرح چلنے کے بعد اُنھوں نے کپڑے کو
اُوپر اُٹھایا۔ پانی کپڑے میں سے نکل گیا لیکن
اس میں مچھلی کوئی نہیں تھی۔ اسلم نے کہا۔

"شاید مچھلیوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ ہم
شکار کی نیت سے نہیں آئے ہیں۔"

"کوئی بے وقوف تو پھنسے ہی گی" جاوید نے
ہنستے ہوئے کہا "آؤ"

اور وہ جھک کر کپڑا پانی میں سے گزارتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے اُوپر کی طرف چلنے لگے کہ ایک جگہ اچانک اسلم کا پاؤں پھسلا اور وُہ پانی میں گر گیا۔ چند لمحے تک وُہ پانی میں اسی حالت میں بیٹھا رہا تو جاوید نے کہا۔

"تم اب نہا چکے ہو تو اُٹھو میرا خیال ہے کہ اب ہمیں موتی باغ کا رُخ کرنا چاہیے۔"

"اچھی بات ہے" اسلم نے کھسیانا ہو کر ہنستے ہوئے کہا اور پھر اپنا ہاتھ جاوید کی طرف بڑھا کر بولا "لو اُٹھاؤ مجھے۔"

جاوید اسلم کا ہاتھ پکڑنے کے لیے آگے بڑھا تو اسلم نے ہاتھ پکڑ کر اسے بھی پانی میں کھینچ لیا۔ جاوید دَھپ سے پانی میں گرا۔

"یہ کیا حرکت ہے" جاوید بولا۔

اسلم ہنس دیا "مجھے بڑا لُطف آ رہا تھا نہانے کا — سوچا ایک غوطہ تم بھی لگا لو — کہو مزا آیا؟"

جاوید جواب دینے کی بجائے کپڑے نچوڑتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہُوا اور کہنے لگا۔

"آؤ اب آگے چلیں۔"

اسلم بھی اُٹھ کھڑا ہُوا اور دونوں دوست پھر [illegible] پکڑ کر آگے کی طرف چل دیے۔ جیسے جیسے باغ کی دیوار نزدیک آتی جاتی تھی، اُن کے دلوں کی دھڑکن تیز ہوتی جاتی تھی۔ اُنھیں یہ اندیشہ لگا ہُوا تھا کہ کوئی دیکھ نہ لے — لیکن ان کے کانوں میں کوئی آواز نہیں آئی اور وُہ خیریت سے دیوار تک پہنچ گئے۔ کپڑے کو نچوڑ کر جاوید نے کندھے پر ڈال لیا اور پھر ہاتھوں اور پیروں کے بل چلتا ہُوا اس محراب نما موری میں داخل ہو گیا — اسلم اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ وُہ بڑی آسانی سے موری میں سے گزر گئے — اب وُہ موتی باغ کے اندر تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باغ کے اندر

اندر جا کر وُہ دونوں سیدھے کھڑے ہو گئے اور سامنے کی طرف دیکھا۔ ان کے سامنے جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں — یا پھر اُونچے اُونچے درخت۔ کبھی یہاں ایک خوبصورت باغ ہوگا لیکن اب تو جنگل دکھائی دیتا تھا۔ ہر طرف ہولناک خاموشی طاری تھی — کسی پرندے تک کی آواز نہیں آ رہی تھی۔

وُہ دائیں بائیں دیکھتے ہوئے احتیاط سے قدم بڑھانے لگے اسلم آگے تھا اور جاوید پیچھے — زمین نرم تھی۔ اس لیے چلنے سے کوئی آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی۔

وُہ کوئی بیس پچیس گز چلے ہوں گے کہ جھاڑیاں چھدری ہونے لگیں۔ اب اُن کے سامنے ایک چوڑا سا راستہ تھا جو جگہ جگہ سے ٹوٹا ہُوا اور ناہموار تھا اور اس پر کئی جگہ گھاس اُگی ہوئی تھی — کبھی یہ بُہت خوب صورت روش ہوگی انھوں نے سوچا۔

اس راستے کے پرے اُنھیں تالاب صاف دکھائی دے رہا تھا۔ تالاب کے دائیں طرف جا کر یہ راستہ گُم ہو جاتا تھا اور بائیں طرف کوئی دو سو گز کے فاصلے پر موتی باغ کا بنگلہ تھا — خستہ اور شکستہ۔ اس عمارت کا مشرقی حصّہ بالکل ویران تھا — صرف مغربی حصّہ۔ ایسا لگتا تھا جیسے مرمّت کرکے رہائش کے قابل بنا لیا گیا ہے۔ ذرا غور سے دیکھنے پر معلوم ہُوا کہ مغربی حصّے سے پرے کچھ اور مکانات بھی ہیں۔

چلتے چلتے وُہ عمارت کے کوئی تیس گز قریب پہنچ گئے۔ اس سے آگے جگہ بالکل صاف تھی۔ اس جگہ کو عبُور کر کے عمارت تک پہنچنا گویا اپنے آپ کو ظاہر کرنا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں پہرہ دے رہا ہو اور وہ اُنھیں جھاڑیوا
سے نکل کر عمارت کی طرف جاتے ہوئے دیکھ
لے۔

اس جگہ پہنچنے سے پہلے وہ مشرقی حِصّے کے
گرد گھوم کر آئے تھے۔ اب انھیں نہ تو عمارت
کے سامنے کا حصّہ دکھائی دیتا تھا اور نہ مغرب
حِصّہ۔ اُن کے سامنے اس وقت عمارت کے مش
رُخ کا پچھلا حصّہ تھا۔ دونوں دوست کچھ دیر
جھاڑیوں میں رُکے کسی آواز کا انتظار کرتے
رہے — لیکن ہر طرف خاموشی طاری تھی۔
اچانک اسلم نے جاوید کا بازو پکڑا اور اس کے
کان میں کہا "وہ دیکھو!"

جاوید نے اُس طرف دیکھا جس طرف اس
اشارہ کر رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں ایک اَدھ کھلے
دروازے سے ٹکرائیں۔ جس کے قبضے زنگ آلو
ہو کر بیکار ہو چکے تھے اور وہ خود بخود کھل
گیا تھا۔

انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا —
دونوں ایک دوسرے کا مطلب اچھی طرح سمجھ

رہے تھے۔

"چلو اندر چل کے دیکھتے ہیں" جاوید نے کہا۔
اُنھوں نے چند لمحے انتظار کیا اور غور سے
چاروں طرف دیکھا کہ عمارت کے قریب جھاڑیوں
میں یا دیوار کے پاس کوئی پہرے دار تو نہیں
ہے — دروازے کے قریب اُنھیں ایک کھڑکی
نظر آ رہی تھی جس کے کواڑوں کے کچھ چوکھٹوں
میں ٹوٹے ہوئے شیشے تھے اور کچھ میں لکڑی
کے پُرانے تختے لگے تھے۔

"آؤ!" کہتے ہوئے جاوید جھاڑیوں سے نکلا اور
دروازے کی طرف لپکا — اسلم ایک لمحے کے
لیے ٹھہرا اور پھر وُہ بھی دروازے کی طرف
بھاگا — اُس کا دِل زور زور سے دھڑک
رہا تھا۔

اُنھوں نے دروازے میں پہنچ کر اِدھر اُدھر
دیکھا۔ اُنھیں توقّع تھی کہ اب کسی طرف سے
کسی چوکیدار کی گرجدار آواز سُنائی دے گی یا
کوئی پہرے دار بھاگا ہُوا آئے گا — لیکن
وہاں پہلے کی طرح خاموشی طاری رہی تو اُنھیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ اطمینان ہوا —— اب اُنھوں نے دروازے کی
کے اندر جھانک کر دیکھا —— کمرہ خالی تھا ——
بالکل خالی۔ سورج کی ہلکی سی روشنی کھڑکی کے
راستے کمرے میں داخل ہو رہی تھی —— کچھ کرنیں
دروازے کے راستے کمرے کے فرش پر پڑ رہی
تھیں —— وہ دونوں پنجوں کے بل آہستہ آہستہ
کمرے میں داخل ہو گئے۔

کمرہ بالکل اُجاڑ پڑا تھا —— فرش تک اُکھڑا
ہوا تھا۔ دیواروں کے پلستر بھی اُکھڑ گئے تھے
اور جگہ جگہ مکڑیوں کے جالے تنے ہوئے تھے۔

دوسری سمت میں ایک اور دروازہ تھا۔ یہ
بند تھا لیکن ذرا سا زور دیتے ہی کھُل گیا۔ اس
کے کھُلنے سے ایسی آواز ہوئی جیسے اُسے بہت
مُدت کے بعد کھولا گیا ہے —— اب وہ ایک
چھوٹے سے برآمدے میں تھے جس کے ایک طرف
ایک بڑا سا آتش دان تھا اور دوسری طرف ایک
بھاری سا دروازہ۔

برآمدے میں سے ہوتے ہوئے وہ اس دروازے
کے پاس پہنچے اور اسلم نے چٹخنی کھولنے کی کوشش

لیکن وہ نہ جانے کب سے بند تھی۔ پہلے
تو وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں، لیکن پھر اسلم
نے زور لگا کر اُسے کھول ہی لیا۔ ایک لمحے
کے لیے وہ رُکے لیکن جب انھیں کوئی آواز
سنائی نہیں دی۔ تو اُن کا حوصلہ کچھ بڑھا اور
دونوں نے مل کر دروازے کو دھکا دیا —— دروازہ
کھُل گیا اور وہ اندر داخل ہو گئے۔

یہ ایک بہت بڑا ہال تھا اور کسی زمانے میں
بہت خوب صورت ہو گا۔ لیکن اب تو حسرت ٹپک
رہی تھی۔ دیواروں پر جگہ جگہ پرانے ہتھیار ٹنگے
ہوئے تھے۔ کھڑکیوں کے اکثر شیشے ٹوٹے
ہوئے تھے اور فرش بھی جگہ جگہ سے اُکھڑا ہوا تھا۔
ہر چیز پر مٹی کی جمی ہوئی موٹی تہہ اس بات
کا پتا دے رہی تھی کہ ایک عرصے سے اس
ہال کو استعمال نہیں کیا گیا ہے۔

اس ویران اور اُجاڑ ہال کو عبور کرنا خاصے
دل گردے کا کام تھا۔ لیکن عمارت کو پوری
طرح دیکھنے کے لیے اس ہال سے گزرنا ضروری
تھا۔ اس کے پرلے سرے پر ایک چھوٹا سا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھلا ہوا دروازہ نظر آ رہا تھا ۔ یہاں روشنی بہت
ہلکی تھی ۔ اس لیے دروازے کے اندر کچھ نظ
نہیں آتا تھا ۔
انھوں نے دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے
دروازے کی طرف بڑھنا شروع کیا —— انھیں
یہاں مشکل سے دو منٹ لگے ہوں گے ۔ لیکن
یہ دو منٹ ایسے تھے جیسے دو صدیاں ۔ ایسا معلوم
ہوتا تھا جیسے دیواریں بھی انھیں دیکھ رہی ہیں
—— کہیں سے کوئی ہلکی سی بھی آواز آتی تو وُہ
اُلٹے پاؤں بھاگ نکلتے —— لیکن چُوں تک کی
بھی آواز نہیں آئی اور وُہ دروازے تک پہنچ
گئے ۔ اُنھوں نے بڑی احتیاط سے دروازہ کھولا
اور اندر جھانکا —— کمرہ بالکل خالی تھا ۔ وُہ اند
داخل ہو گئے اور دروازہ آہستہ سے بند کر لیا
یہ کمرہ ہال سے کافی چھوٹا تھا خاصا رُعب د
اس کی دیواروں میں الماریاں اور خانے بنے ہو
تھے ۔ شاید کبھی یہاں لائبریری تھی ۔ کچھ الماریاں
اور خانے شکستہ تھے لیکن بعض کی مرمت کر دی
گئی تھی ۔

یہ کمرہ عمارت کے سامنے کے رُخ پر واقع
تھا اور یہاں سے موتی باغ کا تالاب اور اس
کے احاطے میں اُگا ہُوا جھاڑ جھنکاڑ صاف دکھائی
دیتا تھا ۔ وُہ خاموشی سے ایک کھڑکی کے قریب
گئے اور باہر کی طرف جھانکنے لگے ۔
ابھی انھوں نے گردن باہر نکالی ہی تھی کہ
ایک آواز سُنائی دی ۔ عمارت میں کہیں کوئی دروازہ
کھُلا یا بند ہُوا تھا ۔ دونوں نے ایک دم مُڑ
کر پیچھے کی طرف دیکھا —— خطرے کے احساس
سے دونوں کے دل دھک دھک کر رہے تھے
وُہ کچھ اور سُننے کی کوشش کرنے لگے ۔
"ہُوا ہو گی" اسلم نے آہستہ سے کہا "میرا
خیال ہے کہ ہم نے کوئی دروازہ ......"
لیکن یہ الفاظ اُس کے ہونٹوں پر ہی دم توڑ
گئے ۔ کھڑکی کے نیچے سے کوئی شخص گزر رہا
تھا اور پتھروں پر اس کے چلنے کی آواز صاف
سُنائی دے رہی تھی —— ایسا معلوم ہوتا تھا کہ
یہ آواز آہستہ آہستہ ان کی طرف آ رہی ہے ۔
دونوں دوست دروازے کی طرف بھاگے مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر سہم کر رُک گئے ــــــ جاوید نے آہستہ سے کہا "اگر ہم نے دروازہ کھولا تو وہ آدمی ہمیں دیکھ لے گا۔ ہمیں کہیں چھپنے کی کوشش کرنی چاہیے"

اُنہوں نے جلدی سے چاروں طرف نگاہ ڈالی اسلم نے ایک الماری کی طرف اشارہ کیا ــــــ دونوں اُس طرف لپکے۔ یہ کافی بڑی الماری تھی۔ اگرچہ اس میں سے نمی اور سیلن کی بدبُو آ رہی تھی لیکن اُن کے چھپنے کے لیے اس سے اچھی جگہ اور کوئی نہیں تھی ــــــ دونوں جلدی سے اس میں گھُس گئے اور دروازہ بند کر کے اُس شخص کا انتظار کرنے لگے۔

قدموں کی آواز آہستہ آہستہ قریب آتی گئی ــــــ یہ آواز بڑی عجیب تھی۔ پہلے کھٹ کی آواز آتی جیسے کوئی فرش پر ڈنڈا مار رہا ہو، پھر ایسا معلوم ہوتا جیسے فرش پر کوئی چیز گھسیٹی جا رہی ہو ــــــ اچانک اُنھوں نے کمرے کا دروازہ کھُلنے کی آواز سُنی۔ اور پھر کوئی شخص اندر آ گیا۔

الماری بہت پرانی تھی اور اس کے دونوں پٹ اکڑ گئے تھے۔ بند کرنے کے بعد بھی اُن میں تھوڑی

جھری رہ جاتی تھی جس میں سے باہر جھانکا جا سکتا تھا۔ اسلم نے اس جھری میں سے باہر جھانکا اور مارے خوف کے اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ ایک کُبڑا لاٹھی ہاتھ میں پکڑے، ایک ٹانگ کو گھسیٹتا ہُوا چل رہا تھا ــــــ وُہ لنگڑاتا بھی تھا ــــــ کالی کلوٹی رنگت اور چھوٹی چھوٹی خونخوار آنکھیں ــــــ اس کی شکل بڑی خوفناک تھی ــــــ وُہ الماری کی طرف نہیں آیا بلکہ دوسری طرف چلا گیا

جاوید نے اسلم کو بھی دیکھنے کا اشارہ کیا اور کُبڑے کو دیکھ کر اُس کا بھی خُون خُشک ہو گیا۔ کُبڑا آہستہ آہستہ دیوار میں لگے ہوئے لکڑی کے خانوں کے پاس پہنچا اور دیوار کا سہارا لے کر ایک خانے کو زور سے کھینچا۔ خانوں کا پُورے کا پُورا حصّہ دیوار کے اندر گھُس گیا اور ان کے پیچھے ایک دروازہ دکھائی دیا۔ کُبڑے نے جیب ٹٹول کر چابی نکالی، دروازہ کھول کر اندر داخل ہُوا اور پھر دروازہ بند کر لیا۔

جاوید الماری کا پٹ کھول کر باہر نکل آیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور بولا۔

"میں دروازے میں جھانک کر دیکھتا ہوں کہ اس کے اندر کیا ہے!"

"نہ نہ" اسلم نے کہا "ایسا نہ کرنا"

لیکن اتنی دیر میں جاوید دروازے کی طرف بڑھ چکا تھا۔ ناچار اسلم بھی پیچھے ہو لیا۔ وُہ دونوں پنجوں کے بل چلتے ہُوئے دروازے تک پہنچے ہی تھے کہ اُنھیں دروازے کے اندر اسی کبڑے کے پیروں کی آہٹ سُنائی دی اور پھر وُہ لپک کر اپنی الماری میں دبک گئے۔

اِتنے میں دروازہ کھُلا اور وہی کبڑا باہر آیا۔ اُس نے دروازہ بند کر کے اسے قفل لگایا، لکڑی کے خانوں کو کھینچ کر باہر نکالا اور لنگڑاتا ہُوا باہر کی طرف جانے لگا —— الماری کی طرف اُس نے بھُولے سے بھی نگاہ نہیں ڈالی —— چند لمحے بعد جاوید اور اسلم —— کمرے کے باہر کبڑے کے قدموں کی آواز سُن رہے تھے۔ وُہ دونوں الماری میں کتنی دیر تک چھپے رہے اس کا اُنھیں کچھ اندازہ نہیں تھا —— بہر حال

کبڑے کے چلے جانے کے کافی دیر بعد اُنھوں نے باہر نکلنے کی جرأت کی —— اب کسی حرکت یا آہٹ کی آواز سُنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس سے اُنھیں کچھ حوصلہ ہُوا۔ لیکن اب وُہ کوئی اور خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ اس لیے وُہ برآمدہ پار کر کے اس دروازے کی طرف بڑھے جو ہال کمرے کے اندر کھُلتا تھا۔

جاوید نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور ہال کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ وہاں سب خیریت تھی۔ وُہ دونوں کمرے میں داخل ہو گئے۔

اب اُنھیں صرف یہ فکر تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے، موتی باغ سے نکل جائیں۔ اُنھیں یہاں آتے ہوئے جتنا ڈر لگا تھا، اب واپس جاتے ہوئے اس سے کئی گُنا زیادہ ڈر لگ رہا تھا —— اُن کا جی چاہتا تھا کہ دوڑتے ہوئے باہر نکل جائیں لیکن وُہ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر وُہ دوڑے تو اس سے شور ہو گا اور کبڑے یا اس کے کسی ساتھی کو پتا چل جائے گا۔

بڑی احتیاط اور خاموشی سے، ایک ایک قدم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُٹھاتے ہوئے، وُہ ہال کے دوسرے سرے تک پُہنچے۔ ہال خالی تھا لیکن وُہ اس قدر سہمے ہوئے تھے کہ اُنھیں اس خالی ہال میں بھی عجیب وغریب سائے گھُومتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ یُوں لگتا تھا جیسے کوئی سایہ جھپٹ کر اُنھیں دبوچ لے گا۔

وُہ پہلے کی طرح دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ہال کے دوسرے دروازے تک پُہنچ گئے۔ باہر نکل کر اُنھوں نے ہال کا دروازہ بند کیا تو ان کے چہرے خُوشی سے جگمگا اُٹھے —— اس کے بعد وُہ اُس کمرے میں آئے جہاں سے وُہ ہال میں داخل ہوئے تھے۔

کمرے سے باہر آ کر اُنھوں نے اِدھر اُدھر نگاہ ڈالی —— دُور دُور تک نہ آدم تھا نہ آدم زاد وُہ بھاگ کر جھاڑیوں میں گھُس گئے۔ اور پھر پیچھے کی طرف دیکھا کہ کہیں کوئی شخص پیچھا تو نہیں کر رہا۔ اس طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد وُہ آہستہ آہستہ دیوار کی طرف بڑھے اور محراب نُما موری میں سے گزر باغ کے باہر آ گئے۔

جب وُہ گھر پُہنچے تو اُنھیں ایسا معلوم ہُوا جیسے وُہ مر کر دوبارہ زندہ ہوئے ہوں۔ وُہ گھر سے مچھلیاں پکڑنے کا بہانہ کر کے گئے تھے۔ اس لیے اُنھیں گھر والوں کو مُطمئن کرنے کے لیے کئی بہانے تراشنا پڑے۔ بہر حال، نہا دھو کر اُنھوں نے کپڑے بدلے سہ پہر کی چائے پی اور تازہ دم ہو کر خالد سے ملنے کے لیے گرینڈ ہوٹل کی طرف چل دیے۔

خالد ہوٹل کے برآمدے میں اُن کا انتظار کر رہا تھا —— اسلم نے جاتے ہی بات کرنے کی کوشش کی مگر خالد نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں بھئی، یہاں نہیں۔ آؤ باغ میں چلتے ہیں"

وُہ باغ میں جا کر ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ یہاں اُنھیں اطمینان تھا کہ اُن کی باتیں کسی غیر آدمی کے کانوں تک نہیں پہنچ سکیں گی۔ جاوید اور اسلم نے خالد کو موتی باغ کی باتیں سنائیں تو وُہ حیرت زدہ رہ گیا۔ کہنے لگا۔

صُبح میں تمھیں بتاؤں گا کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے۔ تم نے سچ مچ بُہت بڑا کارنامہ کیا ہے۔ اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت دکھائی ہے۔ مرحبا۔ شاباش!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خالد غائب ہو گیا

دوسرے دن پروگرام کے مطابق وہ خالد سے ملے ـــــ وہ انھیں گرینڈ ہوٹل کے پچھواڑے والے باغ میں لے گیا۔

"دیکھو بھئی"! خالد بولا "تم دونوں اپنے حصّے کا ـــــ بلکہ اپنے حصّے سے کہیں زیادہ کام کر چکے ہو۔ اب باقی کام مجھے اپنے ہاتھ میں لینا چاہیے۔ میں کسی طرح موتی باغ کے اندر داخل ہو جاؤں گا تا کہ تمھارے چھوڑے ہوئے کام کو پُورا کر سکوں ـــــ ہو سکتا ہے اس طرح موتی باغ کے تمام بھید حل ہو جائیں۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں اندر جاؤں تو کیسے؟ بڑے دروازے کو پھاند کر اندر جانے کی جرأت تو کر نہیں سکتا ـــــ وہ لوگ دروازے پر ہی مجھے پکڑ لیں گے۔"

"اس کی ایک ترکیب ہو سکتی ہے۔" جاوید نے آہستہ سے کہا۔

خالد نے تعجّب سے جاوید کی طرف دیکھا اور کہا۔

"کیا مطلب"؟

"مطلب یہ ہے خالد صاحب"! جاوید نے کہا "کہ میں اس بارے میں سوچتا رہا ہوں۔ بلکہ جب ہم اُس محراب نُما موری میں سے گزُر کر اندر پہنچے تو میں یہی سوچ رہا تھا کہ آپ موتی باغ کے اندر کیسے داخل ہو سکتے ہیں ـــــ اگر آپ درخت پر چڑھ کر اندر جائیں تو؟"

"لیکن دیوار کے باہر تو کوئی درخت ہے ہی نہیں" خالد نے کہا "میں نے ساری دیوار کا چکر لگایا تھا اور ایسے درخت کی تلاش کی تھی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لیکن اندر تو ہیں" جاوید نے جواب میں کہا۔

"اندر موری کے بالکل پاس ایک شیشم کا درخت ہے۔ اگر ہم اور اسلم ایک مضبوط سا رسّا لے کر اندر چلے جائیں اور رسّے کا ایک سرا درخت کی شاخ سے باندھ کر دوسرا سرا دیوار کے باہر پھینک دیں تو آپ کے لیے رسّے کی مدد سے اندر جانا بالکل آسان ہو گا۔ کیا خیال ہے آپ کا؟"

"بالکل لاجواب خیال ہے میرے دوست" خالد نے جاوید کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا، "یہ خیال مجھے تو بالکل ہی نہیں سوجھا تھا۔"

وہ تینوں دیر تک اس منصوبے کے بارے میں باتیں کرتے رہے اور آخر یہ طے پایا کہ آج پچھلے پہر ہی یہ کام کرنا چاہیے۔ لیکن اس کے لیے انھیں ایک مضبوط سا رسا بازار سے خریدنا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی دکاندار اُن سے یہ دریافت کرے کہ رسّا انھیں کس لیے چاہیے۔ اس لیے خالد کی صلاح تھی کہ رسّا پسرور کے بجائے قریبی قصبے چونڈہ سے

خریدا جائے۔"

"دیکھو بھئی! میرے پاس موٹر سائیکل موجود ہے —— تم دونوں کو میں چونڈہ لے چلتا ہوں۔ کُل سات آٹھ میل کا فاصلہ ہے۔ ابھی جائیں گے اور ابھی آ جائیں گے۔"

خالد نے گرینڈ ہوٹل سے موٹر سائیکل لی اور اسلم اور جاوید کو پیچھے بٹھا کر چونڈہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

کوئی اور دن ہوتا تو جاوید اور اسلم چونڈے کے خوبصورت، قدیم اور تاریخی قصبے کی سیر سے جی بھر کر لطف اُٹھاتے لیکن وہ ایک ضروری کام سے یہاں آئے تھے۔ اس لیے وہ سیدھے ایک پان فروش کی دکان پر پہنچے۔ دکان کے باہر خالد نے موٹر سائیکل کھڑی کی۔ دکان دار سے ایک موٹا سا مضبوط رسا خریدا اور پھر باہر آ گیا۔

وہ ابھی موٹر سائیکل کی طرف بڑھا ہی تھا کہ کسی نے زور سے اس کے کاندھے پر ہاتھ مارا اور اُس کے ساتھ آواز آئی۔

"ارے میرے یار خالی! کہاں پھر رہے ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خالد نے مُڑ کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ یہ اُس کا پُرانا اور ہم جماعت دوست طارق تھا —— وہی طارق جس سے ملنے کے لیے وُہ پسرور آیا تھا —— وہی طارق اب پسرور کی بجائے چونڈے کے بازار میں کھڑا تھا۔

خالد بے اختیار اُس سے لپٹ گیا "میں تو تم سے ملنے کے لیے ہی پسرور آیا تھا مگر معلوم ہُوا کہ تم کسی اور جگہ چلے گئے ہو۔"

"ہاں، کچھ ایسی ہی بات ہے۔" طارق ہنستے ہوئے کہنے لگا اور پھر اسلم اور جاوید کی طرف دیکھ کر بولا "یہ کون ہیں؟"

"یہ میرے دوست ہیں" خالد نے اُن کا تعارُف کرایا " جاوید اور اسلم —— یہ ایک چھوٹے سے چکّر میں میری امداد کر رہے ہیں۔"

"تم ہمیشہ چکّر ہی چلاتے رہتے ہو۔" طارق نے کہا

"اپنا تو کام ہی یہی ہے۔" خالد نے کہا۔

"اور پھر اس میں پھنس کر بھی رہ جاتے ہو" طارق نے کہا "کتنی بار تو میں نے تمھیں نکالا ہے ایسے چکّروں سے —— اچھا خیر، آؤ اب چل کے

کسی ہوٹل میں چائے پئیں۔"

طارق انھیں ایک ہوٹل میں لے گیا۔ وہاں خالد اور طارق کے درمیان خوب خوب باتیں ہوئیں۔ ان باتوں سے جاوید اور اسلم کو معلوم ہُوا کہ طارق بی، اے کے امتحان سے فارغ ہُوا ہی تھا کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کی زمینیں، پسرور سے کوئی سات آٹھ میل کے فاصلے پر پسرور ڈسکہ روڈ پر، ستراہ نامی گاؤں میں تھیں۔ طارق کے دادا پسرور میں دکان کرتے تھے اور اُن ہی کے پاس طارق اپنی تعلیم کے سلسلے میں رہتا تھا۔ اب وُہ دکان فروخت کر کے ستراہ آ گئے تھے اور اب دونوں دادا اور پوتے، کاشت کاری کر رہے تھے۔

"دیکھو یار خالی! طارق ساری کہانی سُنا کر بولا "اب تم اِدھر آئے ہو تو دو چار دن ہمارے گاؤں میں چل کر رہو۔ تمھیں وُہ مزا آئے گا کہ سب کچھ بھول جاؤ گے —— اپنے ان دوستوں کو بھی ساتھ لے چلو۔"

"ہم ضرور آئیں گے"۔ خالد نے کہا "یہ میرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وعدہ ہے —— لیکن ابھی نہیں۔ چند دنوں کے
بعد۔"

" اچھی بات ہے" طارق نے کہا "میں تو اب چلتا ہوں۔ مجھے یہاں اپنے ایک عزیز سے ملنا ہے۔"

طارق کے جانے کے بعد خالد جاوید اور اسلم کو لے کر پسرور کی طرف روانہ ہو گیا۔

" طارق بڑے مزے کا آدمی ہے" راستے میں خالد نے کہا۔

" ان کا قد تو چھوٹا سا ہے" جاوید نے کہا۔

" اس کے چھوٹے سے قد سے دھوکا نہ کھانا" خالد بولا " اس کا جسم فولاد ہے فولاد۔ رستم علی کے ایک مکا مار دے تو وہ ساری رستمی بھول جائے —— کسی دن چلیں گے اس کے گاؤں۔"

گرینڈ ہوٹل پہنچ کر خالد نے رستے کا بنڈل سنبھال کر اپنے کمرے میں رکھ دیا۔ اسلم اور جاوید گھر چلے گئے۔ انھوں نے کھانا کھایا، تھوڑا دیر آرام کیا اور سہ پہر کے وقت پھر گرینڈ ہوٹل پہنچ گئے۔ خالد پہلے ہی سے تیار تھا

ہی تینوں موتی باغ کی طرف چل دیے۔

موری کے نیچے سے جاوید اور اسلم ایک بار پھر اندر گئے۔ رستے کا بنڈل جاوید کے ہاتھ میں تھا۔ وہ رستے کا ایک سرا پکڑ کر درخت پر چڑھ گیا اور اسے ایک مضبوط سی شاخ میں باندھ دیا —— پھر اس نے دوسرا سرا دیوار کے باہر پھینک دیا اور نیچے اتر آیا —— دونوں دوست موری سے گزر کر باہر آ گئے۔

" بہت خوب" خالد نے کہا " میں اب اندر جاتا ہوں —— مجھے واپس آنے میں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹا لگے گا —— تم اتنی دیر اِدھر اُدھر گھومو۔"

یہ کہہ کر خالد رستے کی مدد سے دیوار پر چڑھا —— دیوار کی منڈیر پر کانچ کے نوکدار ٹکڑے لگے ہوئے تھے۔ ان سے پاؤں بچاتے ہوئے اس نے اپنے قدم جمائے اور پھر ذرا اونچا ہو کر درخت کی وہ شاخ پکڑ لی جس کے ساتھ رستا بندھا ہوا تھا۔ رستے کو اس نے باہر کی طرف ہی چھوڑ دیا اور پھر شاخ سے لٹک کر موتی باغ کے اندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کُود گیا۔

جاوید اور اسلم دیوار سے پیچھے ہٹ آئے اور
نالے کے کنارے بے مقصد گھومنے لگے۔ جب
کافی دیر ہو گئی تو اسلم نے کہا:

" اب تو ایک گھنٹے سے بھی اُوپر ہو چلا ہے۔
ہمیں خالد صاحب کا پتا کرنا چاہیئے۔"

وُہ واپس دیوار کے پاس آئے۔ رسّا اسی
حالت میں تھا جس حالت میں وُہ چھوڑ کر گئے تھے
لیکن خالد کا کوئی پتا نہیں تھا۔

" ہمیں کچھ دیر اور انتظار کرنا چاہیے۔ یہ کوئی
مشین کا حساب تھوڑا ہی ہے کہ کام ایک گھنٹے
میں ہی ختم ہو جائے۔" جاوید بولا۔

اور وُہ پھر اِدھر اُدھر گھومنے لگے لیکن اس مرتبہ
وُہ دیوار سے زیادہ دُور نہیں گئے ___ آدھ گھنٹہ
اور گزر گیا لیکن خالد کا اب بھی کوئی پتا نہیں
تھا۔ اسلم پریشان ہو گیا تھا۔ جاوید نے اُسے
دلاسا دیتے ہوئے کہا:

" معلوم ہوتا ہے جاوید صاحب کو کوئی بہت
ہی دلچسپ چیز مل گئی ہے۔"

لیکن جب آدھ گھنٹا اور گزر گیا تو جاوید کے
ماتھے پر بھی فکر کی لکیریں نمودار ہو گئیں۔ اُس
نے کہا:

" اب اپنے آپ کو دھوکا دینے سے کوئی فائدہ
نہیں۔ ضرور کوئی گڑ بڑ ہو گئی ہے ___ خالد
صاحب کسی مُصیبت میں پھنس گئے ہیں۔"

انھوں نے حیرت و خوف سے ایک دوسرے کی
طرف دیکھا ___ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ
وُہ کیا کریں؟ ان کے دماغ میں ہزاروں سوال
اُٹھ رہے تھے لیکن اُن کے پاس ایک سوال کا
بھی جواب نہیں تھا۔

اب یہ بات صاف تھی کہ خالد کے ساتھ ضرور
کوئی گڑ بڑ ہو گئی ہے ___ اُنھیں اُس کی مدد
کے لیے کچھ کرنا ہوگا اور فوراً کرنا ہوگا ___
اسلم کا خیال تھا کہ موتی باغ کے اندر جا کر
خالد کو تلاش کیا جائے۔ لیکن جاوید کا خیال اس
کے اُلٹ تھا۔ اُس نے کہا:

" اگر خالد صاحب کسی مُصیبت میں پھنس گئے ہیں
تو ہم اندر جا کر اُن کی کچھ مدد نہیں کر سکتے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس طرح تو ہم بھی مُصیبت میں پھنس جائیں گے ۔ بہتر یہی ہے کہ کسی بڑے آدمی کی مدد حاصل کی جائے ۔"

"کِس کی ؟" اسلم نے پُوچھا ۔

" میں تھانے جا کر اطلاع کرتا ہوں ۔" جاوید نے کہا " ہم تھانیدار کو بتائیں گے کہ ہم فٹ بال کھیل رہے تھے کہ گیند اُچھل کر باغ کے اندر چلی گئی ۔ خالد صاحب دیوار پھاند کر اندر گئے اور ابھی تک واپس نہیں آئے ۔"

بھاگ بھاگ کر اُن کی سانس پھُول گئی تھی ۔ جب وُہ تھانے میں داخل ہوئے تو سپاہیوں نے انھیں حیرت سے دیکھا ۔ اتفاق سے تھانیدار فارغ ہی بیٹھا ہُوا تھا ۔ وُہ ساری کہانی سُن کر بولا :

" بھلا تمھیں کیا پڑی تھی اتنی دُور جا کر گیند کھیلنے کی ۔ کیا شہر میں میدان نہیں ہیں ؟ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ بلا اجازت کسی کے مکان میں گھُسنا قانون کے خلاف ہے ۔ تمھیں اس کی سزا مل سکتی ہے ۔ خیر، میں ایک سپاہی کو تمھارے ساتھ بھیج دیتا ہوں ۔ باغ کے اندر جا کر اپنے ساتھی کو تلاش کر لینا ۔"

جاوید اور اسلم خوش ہو گئے —— اور سپاہی کے ساتھ موتی باغ کی طرف چل دیئے ۔ راستے میں سپاہی نے کہا :

" میں موتی باغ کے اندر کبھی نہیں گیا ۔ چلو آج اس بہانے اسے دیکھنے کا بھی موقع مل جائے گا ۔ لیکن مجھے تمھارے دوست کے مُصیبت میں پھنس جانے والی بات بالکل بکواس معلوم ہوتی ہے ۔ میرا خیال ہے کہ موتی باغ کے مالکوں نے اُسے چور سمجھ کر پکڑ لیا ہو گا ۔ اور اب وُہ اُسے لے کر تھانے آ رہے ہوں گے ۔"

" میرا تو خیال ہے کہ وُہ لوگ آپ کو دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گے ۔" جاوید نے کہا " بلکہ آپ اگر اندر ہی چلے جائیں تو بہت بڑی بات ہے ۔"

لیکن جاوید غلطی پر تھا ۔ سپاہی نے جا کر پھاٹک کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ وُہ آپ ہی آپ کھُل گیا ۔ یہ دیکھ کر جاوید اور اسلم کو بڑی حیرت ہوئی ۔ وُہ سپاہی کو لے کر تالاب کے پاس سے گزرتے ہوئے عمارت کے مغربی حصّے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف پہنچے۔ سپاہی نے ایک کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

ایک شخص نے دروازہ کھولا اور جب سپاہی نے اپنا مقصد بیان کیا تو اُس نے کہا:

"یہاں تو میرے سوا اور کوئی بھی نہیں ہے جمعدار صاحب! پچھلے ایک ہفتے سے صرف میں ہی یہاں ہوں۔ رُستم علی صاحب باہر گئے ہوئے ہیں اور یہ آپ کو بھی معلوم ہے کہ اُن کے کوئی ملاقاتی بھی نہیں آتے۔ آپ کو غلطی ہوئی ہے۔ پھر بھی آپ کو یقین نہ ہو تو خود دیکھ لیجیے۔ اس سے زیادہ میں کیا کہہ سکتا ہوں!"

وہ تینوں کمرے میں داخل ہو گئے۔ یہ کمرہ اُن کمروں سے بالکل مختلف تھا جو جاوید اور اسلم نے کل دیکھے تھے۔ اس میں تین چار سیدھی سادی کرسیاں اور ایک میز پڑی تھی۔ کوئی چیز بھی تو ایسی نہیں تھی جس سے اس کے پُراسرار ہونے کا گمان ہوتا ہو۔

سپاہی نے بے زاری سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر تھوڑی کھجاتے ہوئے اُس شخص سے بولا:

"دیکھیے۔ میں نہ یہاں تلاشی لینے آیا ہوں اور نہ میرے پاس کوئی وارنٹ ہے۔ لیکن اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں عمارت کا چکر لگا کر دیکھ لوں تاکہ ان لڑکوں کو اطمینان ہو جائے۔"

"جہاں آپ کا جی چاہے دیکھ لیجیے۔" اُس شخص نے لاپروائی سے کہا "لیکن عمارت کا پرانا حصہ دیکھتے وقت آپ کو احتیاط کرنا ہو گی۔ سالہا سال سے اُس طرف کوئی نہیں گیا ہے ——— اچھا اب مجھے اجازت دیں۔ مجھے ایک ضروری کام کرنا ہے۔"

وہ تینوں باہر نکل آئے اور اِدھر اُدھر دیکھتے بھالتے عمارت کے مشرقی حصے میں پہنچ گئے۔ جو بالکل اجاڑ اور ویران تھا "افسوس! ایسی شاندار عمارت یُوں برباد ہو رہی ہے!" سپاہی نے کہا "چھت الگ گل سڑ چکی ہے اور فرش الگ اور ذرا اس زینے کو تو دیکھو۔"

سپاہی نے ایک بڑے سے زینے کی طرف اشارہ کیا جسے جاوید اور اسلم پچھلے دن نہیں دیکھ سکے تھے۔ کسی وقت یہ زینہ بہت شاندار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یونہی وقت گنوا رہے ہو" سپاہی نے کہا۔
ہوگا لیکن اب اس کی حالت بے حد خستہ تھی
پہلے تین چار ڈنڈے غائب تھے اور اس سے "آؤ اب چلیں۔ تمہارا دوست ہوٹل چلا گیا ہوگا
اُوپر بھی کہیں کوئی ڈنڈا نہیں تھا — بولا "اُس نے تمہیں چکمہ دیا ہے۔"
لگتا تھا جیسے یہ ذرا سا بوجھ بھی نہیں سہار سکے گا۔ انھوں نے سپاہی سے بحث کرنا مناسب
اور اگر کسی نے اس کے اُوپر قدم رکھا تو اس نہیں سمجھا اور چُپ چاپ اس کے ساتھ باہر
کا تمام ڈھانچا دھڑام سے فرش پر آ رہے گا۔ نکل آئے۔
"اُوپر تو کسی کے ہونے کا سوال ہی پیدا" "کچھ ملا؟" وہ شخص، جس نے کمرے کا دروازہ
نہیں ہوتا" سپاہی نے کہا "جو گیا سو گیا۔" کھولا تھا، سپاہی سے بولا "میں پہلے ہی کہتا
"لائبریری میں چل کے دیکھتے ہیں" جاوید نے تھا۔ ان بیوقوفوں کو آپ نے یہ نہیں بتایا کہ
کہ اگر گیند اُچھل کر اندر آ گئی تھی تو دیوار
کہا۔
وہ سپاہی کو لے کر لائبریری میں گئے۔ لائبریری پھاندنے کی کیا ضرورت تھی۔ پھاٹک پر آ کر
اُسی حالت میں تھی جیسے کل انھوں نے دیکھی دستک دیتے۔ میں انھیں گیند ڈھونڈ دیتا۔ یہ
تھی — خالی الماریاں اور خالی خانے موتی بار تو چوروں والی بات ہوئی۔"
کی تباہی کی داستان کہہ رہے تھے — وہ سپاہی نے اسلم اور جاوید کو کڑی نظروں
الماری بھی تھی جس میں وہ چھپے تھے — اُس سے دیکھا اور بولا "چلو۔ فضول ہمارا وقت
کو دیکھتے ہی اُن کے دلوں کی حرکت تیز ہو برباد کیا" وہ دونوں سر جھکا کر اس کے
گئی۔ جاوید اس حصّے کی طرف لپکا جسے کھسکا پیچھے پیچھے چلنے لگے۔
کر کبڑا اندر گیا تھا لیکن کوشش کے باوجود "اب تم سیدھے گرینڈ ہوٹل جاؤ" باغ سے
کوئی خانہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہلا باہر آ کر سپاہی نے کہا "تمہارا دوست

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہیں ہو گا۔"

لیکن جب وُہ گرینڈ ہوٹل پُہنچے تو وہاں نہیں تھا اور نہ ہوٹل کے مالک کو اس بارے میں کُچھ پتا تھا۔ وُہ رو ہانسے سے ہو گھر کی طرف چل دیے ——— اب شک کوئی گنجائش نہیں تھی ——— خالد گُم ہو گیا ——— کِسی مُصیبت میں گِھر گیا تھا۔

خالد پر کیا گزری؟

موتی باغ کے اندر داخل ہونے کے بعد خالد ئیں ہاتھ کی سمت کو چل دیا۔ وُہ عمارت میں سی راستے سے داخل ہونا چاہتا تھا جس راستے سے جاوید اور اسلم گئے تھے۔ لیکن وُہ مکان کا پچھلا حصّہ بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے وُہ اپنے ساتھ ایک چھوٹی سی دُوربین بھی لیتا آیا تھا۔

جھاڑیوں سے نکل کر وُہ زمین پر لیٹ گیا اور پھر دُوربین سے عمارت کے مغربی حصّے کو دیکھنے لگا۔ عمارت کا یہ حصّہ دو منزلہ تھا اور نیا بنا ہُوا معلوم ہوتا تھا۔ دونوں منزلوں میں کئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھڑکیاں تھیں لیکن ان پر بھاری پردے پڑے ہوئے تھے۔

خالد تیزی سے اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ یہ وہی دروازہ تھا جس کے ذریعے اُس کے دو دوست اندر داخل ہوئے تھے۔ لیکن اندر جانے سے پہلے اُس نے ایک نگاہ عمارت کے پچھلے حصے پر ڈالی۔ پھر احتیاط سے قدم اُٹھاتا ہُوا ہال میں پہنچ گیا۔ اتنے بڑے ہال کو ویران دیکھ کر اُسے جھرجھری سی آ گئی۔ نہ جانے کیوں اُسے خطرے کا احساس ہو رہا تھا۔ لیکن اُس نے اس خوف کو دل سے نکال دیا اور لائبریری کی طرف جانے والے راستے کی طرف بڑھا۔

اور پھر اُسے وہ ٹوٹا پھوٹا زینہ دکھائی دیا جس کے پہلے تین چار ڈنڈے غائب تھے۔ اُس کے بائیں ہاتھ کی طرف تھا اور تقریباً اندھیرے میں تھا۔ شاید اسی لیے جاوید اور اسلم اس زینے کو نہیں دیکھ سکے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ زینہ اُوپر کسی جگہ تک پہنچنے کے بجائے ہوا ہی میں لٹک کر رہ گیا ہے —— یہ بات خالد

کو عجیب سی لگی۔ اس کی جیب میں ایک چھوٹی سی ٹارچ تھی۔ اُس کا جی چاہا کہ ٹارچ جلا کر زینے کو غور سے دیکھے لیکن اس خیال سے باز رہا کہ کسی کو اس کی موجودگی کا پتا نہ چل جائے۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر زینے کے ایک ڈنڈے کو پکڑنے کی کوشش کی۔ یہ ڈنڈا مضبوط تھا۔ اس خالد کے دل میں شک پیدا ہُوا کہ زینے کے پہلے تین چار ڈنڈے بوسیدہ ہو کر نہیں گرے بلکہ جان بوجھ کر کاٹ دیے گئے ہیں۔ اُس نے اُوپر کی طرف دیکھا اور پھر زینے پر چڑھنے کا فیصلہ کر لیا —— ایک بار پھر کسی انجانی قوّت نے اُسے خطرے کا احساس دلانے کی کوشش کی لیکن اُس نے پروا نہ کی اور ایک ستون کا سہارا لے کر زینے پر چڑھ گیا —— زینہ ہلتا ہُوا معلوم ہوتا تھا لیکن خالد تیزی سے اُوپر چڑھتا گیا اور تھوڑی دیر میں اُوپر کی منزل پر پہنچ گیا۔

یہ حصّہ نچلے حصّے سے بھی زیادہ ویران اور خستہ حال تھا۔ کھڑکیوں کے شیشے موجود تھے لیکن ان پر دھول کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ اس لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شیشوں میں سے آنے والی روشنی بہت ہی مدھم تھی۔

خالد آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہُوا برآمدے میں آگے بڑھنے لگا جو شاید نچلی منزل کے برآمدے کے عین اُوپر تھا۔ کچھ دُور اسی طرح چلنے کے بعد یہ برآمدہ دو حصّوں میں بٹ گیا تھا۔ خالد سوچنے لگا کہ اب کدھر جاؤں، دائیں یا بائیں ــــ وُہ کچھ جھجکا اور پھر بائیں طرف ہو لیا۔ یہ راستہ عمارت کے سامنے کے حصّے کی طرف جاتا تھا۔ اس کا فرش اچھی حالت میں تھا اور یہاں اندھیرا بھی کچھ کم تھا۔

اس کے دونوں طرف خالی کمرے تھے۔ جن کے دروازے یا تو سرے سے غائب تھے یا ٹوٹے ہُوئے تھے ــــ اس راستے کے آخر میں اُس کو ایک بند دروازہ نظر آیا ــــ اُس نے دروازے کو دھکا دینے کی کوشش کی ــــ لیکن ابھی ہاتھ لگایا ہی تھا کہ دروازے کے دوسری طرف اُسے آہٹ سنائی دی۔ دروازے کے اندر کوئی شخص تھا۔ خالد ایک قدم پیچھے

ہٹ گیا۔ اب اُسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی اندر سے دروازے کا قفل کھول رہا ہے۔

خالد نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ دروازے کے عین سامنے ایک اور کمرہ تھا اور اس کا دروازہ کُھلا ہُوا تھا۔ وُہ فوراً اس میں جا گُھسا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے دروازہ کھلنے اور پھر فوراً ہی بند ہونے کی آواز سُنی ــــ اس کے بعد قدموں کی چاپ اُس برآمدے پر سُنائی دینے لگی جس میں سے گزر کر خالد یہاں آیا تھا۔

اُس نے دروازے میں سے سر نکال کر برآمدے کی طرف دیکھا۔ اُس شخص کی پیٹھ خالد کی طرف تھی لیکن اُس کے قد کاٹھ سے خالد نے اُسے صاف پہچان لیا۔ وُہ رُستم علی خان تھا ــــ موتی باغ کا مالک۔

خالد نے اُس کو برآمدہ پار کر کے دائیں طرف مُڑتے دیکھا۔ اب وُہ کمرے سے نکلا اور دبے پاؤں اس کے پیچھے ہو لیا۔ برآمدے کے کونے پر پہنچ کر خالد رُک گیا اور اُس نے رستم علی کے قدموں کی آہٹ سُننے کی کوشش کی۔ لیکن اُسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ سنائی نہیں دیا —— بالکل خاموشی تھی۔ اُس
نے گھٹنے کے بل جُھک کر کونے کے دوسری
طرف نظر ڈالی۔ وہاں بھی کچھ نہیں تھا۔

اور پھر یکایک اُس نے رُستم علی کو کچھ فاصلے
پر برآمدے کے ایک تاریک گوشے سے نکلتے
دیکھا۔ وہ پیچھے دیکھے بغیر، بڑے اطمینان سے
آگے بڑھتا گیا۔ خالد بھی دس بارہ گز کا فاصلہ
چھوڑ کر، اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ برآمدے
میں بہت کم روشنی تھی۔ اس لیے اُسے رستم علی
صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ اچانک رستم علی چلتے
چلتے ایک جگہ رُکا، پھر بائیں طرف مُڑا اور ایک
دم نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

خالد فوراً اُس جگہ پہنچا جہاں رستم علی غائب ہوا
تھا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بائیں طرف دیوار
میں اُسے ایک چھوٹی سی الماری دکھائی دی۔ ہمت
کر کے اُس نے الماری کے پٹ کھولے —— اور
حیران رہ گیا۔ الماری کے اندر پتھر کا ایک گول
زینہ تھا جو نیچے جاتا تھا۔

خالد نے پہلے الماری کے اندر دیواروں کو چھو

کر دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ نیچے اُترنے لگا۔ دو
تین منٹ بعد وہ نچلی منزل کے برآمدے میں تھا
اس کے دائیں طرف لائبریری تھی۔ وہ سوچنے لگا
کہ رستم علی ضرور لائبریری کی طرف گیا ہو گا۔ وہ
اُدھر جانے کے لیے مُڑا ہی تھا کہ لائبریری کے
اندر سے کھٹاک کی آواز آئی۔ وہ فوراً ایک
طرف دبک کر انتظار کرنے لگا۔

وہ چند منٹ تک اسی طرح کھڑا رہا۔ جب
کوئی اور آہٹ سنائی نہ دی تو جرأت کر کے آگے
بڑھا اور آہستہ سے لائبریری کا دروازہ کھول کر
اندر جھانکا —— کمرہ خالی تھا۔

وہ سیدھا ان خانوں کی طرف بڑھا جن کے
بارے میں جاوید اور اسلم نے اُسے بتایا تھا۔ اُس
نے چند خانوں کو کھینچنے اور دھکیلنے کی کوشش
کی لیکن کوئی خانہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ وہ
ایک ایک خانے کو غور سے دیکھنے لگا۔ آخری
سرے پر جو خانہ تھا، اُس پر سورج کی کچھ کرنیں
پڑ رہی تھیں۔ اُس نے آگے بڑھ کر غور سے
دیکھا تو اُسے خانے پر جمی ہوئی گرد پر انگلیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے نشان صاف دکھائی دیے۔

خالد نے خانے کو انگلیوں کے نشانات والی جگہ سے پکڑ کر دوسری طرف کو دھکیلا۔ خانوں کا پورا حصّہ اندر کی طرف کو سرک گیا۔ ساتھ ہی کھٹاک کی آواز بھی سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی خانوں کے پیچھے چھپا ہُوا دروازہ ظاہر ہو گیا۔ —— دروازے کے پٹ کُھلے تھے۔

خالد اندر داخل ہو گیا۔ اُس نے کمرے میں ایک اُچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی۔ پہلی نظر میں اُسے یہ گمان ہُوا کہ یہ کمرہ یا تو کوئی تجربہ گاہ ہے یا ورکشاپ۔ اِدھر اُدھر بہُت سے اوزار بکھرے پڑے تھے۔ ایک کونے میں ایک چھوٹی سی مشین لگی ہوئی تھی —— ایسی مشین جیسی چھاپے خانوں میں ہوتی ہے۔ دوسرے کونے میں ایک ڈیسک تھا، جیسا کہ عام طور پر آرٹسٹ اور ڈرائنگ کرنے والے لوگ استعمال کرتے ہیں ایک اور دیوار کے ساتھ ایک بڑی سی میز تھی جس پر چھوٹے بڑے اوزاروں کے علاوہ وہ اٹیچی کیس بھی رکھا تھا جس کی وجہ سے

جاوید اور اسلم کی ملاقات رُستم علی سے ہوئی تھی۔

خالد پہلے اُس مشین کی طرف آیا۔ یہ چھاپے کی مشین ہی تھی لیکن معلوم ہوتا تھا کہ بہُت دنوں سے استعمال نہیں ہوئی ہے۔ کیونکہ اس پر گرد جمی ہوئی تھی —— مشین کے قریب کوئی ایسا کاغذ نہیں تھا جس سے اندازہ ہو سکتا کہ اس پر کیا کچھ چھپتا رہا ہے —— پھر وہ سیدھا اُس میز کی طرف بڑھا جس پر اٹیچی کیس کھُلا پڑا تھا۔ اس کے اندر چھوٹے بڑے ڈبے اور شیشیاں رکھی ہوئی تھیں —— اُس نے ڈبوں کو اُٹھا کر دیکھا اور پھر ایک شیشی اُٹھائی۔ ڈبوں اور شیشیوں پر لیبل نہیں لگے تھے جن سے معلوم ہوتا کہ ان کے اندر کیا چیز ہے۔ اُس نے ایک شیشی پتلون کی جیب میں ڈال لی۔

اس نے سوچا کہ یہ شخص کسی قسم کی تحقیقات کر رہا ہے۔ یہ تحقیقات کس قسم کی ہو سکتی ہے؟ چھاپے کی مشین اور آرٹسٹ کے ڈیسک اور ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اوزاروں کا اس تحقیقات سے کیا تعلق ہو سکتا
ہے؟ یہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا —— وہ
جھک کر اٹیچی کیس کی چیزوں کو اُلٹ پلٹ کرنے
لگا کہ شاید ان سے کچھ معلوم ہو سکے اور پھر
اُس نے ایک چھوٹا سا ڈبا اُٹھا کر پتلون کی
دوسری جیب میں ڈال لیا —— اچانک اُسے
ایسا معلوم ہُوا جیسے اُس کے پیچھے کوئی کھڑا ہے
وُہ ایک دم پیچھے مُڑا —— یہ رستم علی تھا۔
رستم علی کی آنکھیں انگاروں کی طرح سُرخ ہو
رہی تھیں —— مُٹھیاں بار بار بھنچ اور کھل رہی
تھیں —— اور چہرہ ایک خوفناک اژدہے سے
کہیں زیادہ خوفناک نظر آ رہا تھا۔

کچھ دیر وُہ خالد کی طرف خوفناک انداز سے
گھُورتا رہا اور پھر ایک لفظ کہے بغیر لپک کر
اُسے دبوچ لیا۔ اُس کے بھاری اور کسرتی جسم
کے بوجھ سے خالد کی پیٹھ میز سے جا لگی——
لیکن وُہ بھی مٹّی کا بنا ہُوا نہیں تھا۔ چوبیس پچیس
سال کا طاقتور نوجوان تھا اور اپنا بچاؤ کرنا جانتا
تھا —— اُس نے زور سے دونوں کندھوں کو ہلایا

اور رستم علی کی گرفت سے نکل گیا —— اب
وُہ مقابلے کے لیے تیار تھا اور رستم علی کے
اگلے حملے کا انتظار کر رہا تھا۔

رستم علی نے مُٹھی بھینچ کر اُس کے سر کا
نشانہ کیا۔ اگر اُس کا گھونسا خالد کے سر پر
لگ جاتا تو معاملہ وہیں ختم ہو جاتا۔ لیکن خالد
جلدی سے ایک طرف ہو گیا اور اتنی زور
سے اُس کے مُکّا مارا کہ وُہ لڑکھڑا گیا۔ اُس
نے پیچھے ہٹ کر دیوار کا سہارا لیا اور پھر
سنبھل کر خالد کے گرد چکر کاٹنے لگا۔ خالد
نے اس کے دو تین مکّے اور لگائے۔ آخری
مُکّا اس کے دل پر پڑا —— یہ مُکّا اگر
کسی اور شخص کے لگ جاتا تو وُہ وہیں ڈھیر
ہو جاتا لیکن رستم علی کا بدن شاید فولاد کا بنا
ہُوا تھا۔ وُہ مُکّا کھا کر ایک لمحے کے لیے
چکرایا پھر ایک دم آگے بڑھا اور خالد کو
باہوں میں جکڑ کر اُوپر اُٹھا لیا۔ اب خالد کے
پاؤں زمین پر نہیں تھے۔ اُسے یوں محسوس
ہوتا تھا جیسے ”رستم علی کی باہیں شکنجہ ہیں جس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے دباؤ سے اس کی ہڈیاں تک ٹوٹ جائیں گ
خالد کو آنکھوں کے سامنے موت ناچتی دکھ
دینے لگی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے
رستم علی کے فولادی ہاتھ تھوڑی ہی دیر میں اُسے
بے جان کر ڈالیں گے۔ اُس نے اپنی قوت
جمع کیا اور رستم علی کے سَر پر دو مُکّے جڑ د
یہ مُکّے اتنے زور دار تھے کہ ان کی آواز
کمرہ گُونج اُٹھا۔ رستم علی کے ہاتھوں کی گرفت
ڈھیلی پڑ گئی اور خالد نے ایک بار پھر اپنے
آپ کو آزاد کرا لیا۔

رستم علی کی گرفت سے نکلتے ہی خالد چند
قدم پیچھے ہٹا اور دانت پیستے ہوئے اُس پر
ایک آخری وار کرنے کی تیاری کرنے لگا۔
وُہ رستم علی کے جبڑے پر ایک مُکّا جڑنا
چاہتا تھا —— ایسا مُکّا جو اُسے چاروں شانے
چت زمین پر گرا دے۔ اُس کی مٹھیاں بھنچی
ہوئی تھیں اور نگاہیں رستم علی کے جبڑے پر
تھیں جس کو وُہ نشانہ بنانا چاہتا تھا۔
عین اسی وقت کُبڑا اندر داخل ہُوا اور دبے

پاؤں خالد کی طرف بڑھا —— خالد کا دھیان رستم علی
کی طرف تھا اس نے کُبڑے کی آہٹ نہیں سنی۔
خالد کے قریب پہنچ کر کُبڑا تیزی سے نیچے جُھکا
اور اُس نے لوہے کے ایک چھلّے کو کھینچا۔ چھلّے
کے کھینچتے ہی فرش کے درمیان کا کچھ حصّہ ایک
طرف کو سرک گیا اور اس کے نیچے ایک غار
سا دکھائی دینے لگا۔

خالد حملہ کرنے کے لیے پنجوں کے بل کھڑا
تھا —— جب رستم علی نے دوبارہ اُس پر حملہ
کرنا چاہا تو وُہ اُس کا وار روکنے کے لیے اُچھل
کر پیچھے ہٹا اور غڑاپ سے اُس غار کے اندر گر
گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انوکھی باتیں

گرینڈ ہوٹل سے نکل کر دونوں دوست خاموشی سے گھر کی طرف چلنے لگے۔ وہ اُداس تھے اور اُنھیں دل پر بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا۔ آخر اسلم نے خاموشی کو توڑا۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اب ہم کیا کریں؟ میرا خیال ہے کہ ہم نے پولیس کو اِطلاع کر کے غلطی کی ہے۔ پولیس والے ہماری بات کو مذاق سمجھ رہے ہوں گے اور ظاہر ہے۔ کہ اب ہمیں اُن سے کسی صورت میں مدد نہیں مل سکے گی۔"

جاوید نے اسلم کی باتوں کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ خاصی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔

مجھے جو بات پریشان کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ جب ہم سپاہی کے ساتھ موتی باغ گئے تو بڑی آسانی سے اندر داخل ہو گئے۔ بڑے دروازے میں کُنڈی تک نہیں لگی تھی۔ سپاہی نے ہاتھ لگایا اور وہ جھٹ سے کھل گیا معلوم ہوتا ہے کہ اُنھیں پولیس کے آنے کی اُمید تھی اسی لیے اُنھوں نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تاکہ پولیس کو ہلکا سا شُبہ بھی نہ ہو سکے۔"

"اور اس میں وہ کامیاب رہے ہیں۔" اسلم نے کہا۔ "اب پولیس کے فرشتوں کو بھی موتی باغ کے متعلق کسی قسم کا شک نہیں ہو سکتا۔ ہم کوئی شکایت لے کر بھی جائیں تو وہ بالکل توجّہ نہیں دیں گے۔"

"جاوید نے کہا: "خالد صاحب موتی باغ ہی میں ہیں۔ اُنھیں رُستم علی نے پکڑ لیا ہے اور اُسے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ ہم خالد صاحب کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ کام کر رہے ہیں۔ بُہت ممکن ہے کہ اُس کے آدمی ہماری نگرانی کر رہے ہوں اور کسی موقع کی تلاش میں ہوں۔"

"خیر" اسلم نے کہا "سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے؟"

"اب؟" جاوید نے کہا "اب تو میں نے یہ سوچا ہے کہ ہم سیدھے گھر جائیں اور شام کا کھانا کھانے کے بعد ایک بار پھر گرینڈ ہوٹل کا چکّر لگائیں۔ اگر وُہ وہاں نہیں ہوئے، جیسا کہ مجھے یقین ہے تو ہم واپس آ جائیں گے اور اپنے اپنے بستروں پر لیٹ جائیں گے پھر جب سب لوگ سو جائیں گے تو ہم چُپکے سے اُٹھیں گے اور۔۔۔۔"

"تمھارا مطلب ہے کہ ہم رات کے وقت موتی باغ میں جائیں گے؟" اسلم نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں" جاوید بولا "اگر تمھیں خالد صاحب، کا کھوج لگانا ہے تو ہمیں رات ہی کے وقت وہاں جانا پڑے گا۔ دن میں نہیں۔"

وہ گھر پہنچے تو دروازے پر جاوید کے دادا جان نے اُنھیں روک لیا اور کہا۔

"تم کہاں گھومتے پھرتے رہے ہو؟ ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک شخص یہاں آیا تھا اور تمھارے بارے میں پُوچھ رہا تھا۔"

"کون تھا وُہ؟" جاوید نے گھبرا کر پُوچھا۔

"پتا نہیں" دادا جان بولے "کُبڑا سا ایک شخص تھا۔"

جاوید اور اسلم کو پہچاننے میں دیر نہیں لگی۔ وُہ سمجھ گئے کہ یہ وہی موتی باغ والا کُبڑا تھا —— دونوں نے سہمی سہمی نگاہوں سے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا۔

"وُہ کیا پُوچھ رہا تھا دادا جان؟" جاوید نے کہا۔

"وُہ" دادا جان بولے "وُہ پوچھ رہا تھا کہ یہاں دو لڑکے رہتے ہیں؟ میں نے اُسے ڈانٹ پلائی کہ بھاگ جا نہیں تو تیری دوسری ٹانگ بھی توڑ دوں گا۔ تجھے اس سے کیا مطلب کہ یہاں دو لڑکے رہتے ہیں یا تین —— تمھیں ایسے منحوس لوگوں کے قریب بھی نہیں جانا چاہیے بیٹا! یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بد معاشوں سے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔"

جاوید اور اسلم نے کوئی جواب نہیں دیا ۔۔۔ وہ سوچ رہے تھے کہ دشمن کو ہمارے گھر کا پتا بھی چل گیا ہے ۔۔۔ اب وہ ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔

شام کا کھانا کھا کر دونوں دوست گرینڈ ہوٹل کی طرف چل دیے۔ گھر سے نکل کر اُنھوں نے احتیاط سے اِدھر اُدھر دیکھا ۔۔۔ اُس منحوس کُبڑے کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ اُس کی طرف سے اطمینان کر کے وہ تیز تیز چلتے ہوئے گرینڈ ہوٹل پہنچے اور جیسی کہ اُنھیں توقع تھی، خالد ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ وہ ہوٹل کے مالک سے ملے اور اُس سے خالد کے متعلق پوچھا۔ اُس نے کہا۔

"خالد صاحب؟ وہ تو واپس نہیں آئے۔ اور میرا خیال ہے کہ چند دن تک نہیں آئیں گے۔ کیونکہ ابھی کچھ دیر ہوئی اُن کا ایک دوست آیا اُس نے بتایا کہ خالد صاحب لاہور چلے گئے ہیں اُنھیں اچانک ہی کسی ضروری کام سے بلا لیا گیا ہے۔ اُن کے دوست نے خالد صاحب کا بل بھی

ادا کر دیا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ چند دن بعد وہ آ کر اپنا سامان لے جائیں گے۔ ان اخبار والوں کا تو حساب ہی کچھ ایسا ہوتا ہے۔"

جاوید اور اسلم نے حیرانی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر چپکے سے وہاں سے کھسک آئے۔

گھر کی طرف واپس آتے ہوئے دونوں کچھ دیر خاموش رہے ۔۔۔ اس خاموشی میں کچھ حیرانی اور گھبراہٹ بھی شامل تھی۔ پھر اسلم نے کہا۔

"میری سمجھ میں تو آتا نہیں کہ یہ کیا چکر ہے! خالد صاحب ہم سے ملے بغیر لاہور چل دیے اور کوئی شخص آ کر اُن کا بل ادا کر گیا ۔۔۔ انھیں کیسا ہی ضروری کام ہوتا، وہ ہم سے ملے بغیر نہیں جاتے۔"

جاوید بھی انھی باتوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ بولا:

"مجھے یقین ہے کہ خالد صاحب لاہور نہیں گئے موتی باغ کے اندر ان کے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوئی ہے اور ہمیں اُن کی مدد کرنا چاہیے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لیکن کیسے ——؟" اسلم نے کہا

"میں نے تم سے کہا تھا نا" جاوید بولا "ہم آج رات کو موتی باغ کے اندر جائیں گے اور خالد صاحب کا کھوج لگانے کی کوشش کریں گے۔"

"اور اگر وہاں پھیری والا سوداگر چکر لگاتا مل گیا تو؟" اسلم نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

گھر پہنچتے ہی وہ بستروں میں گھس گئے لیکن سوئے نہیں۔ اس انتظار میں کروٹیں بدلتے رہے کہ گھر کے لوگ سو جائیں تو باہر نکلیں۔ کوئی آدھی رات کا عمل ہو گا جب جاوید نے اسلم کا کندھا ہلاتے ہوئے کہا۔

"آؤ چلیں۔"

"آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں۔" اسلم نے کہا۔

"اچھا ہے۔"

"بجلی بھی چمک رہی ہے۔"

"اور بھی اچھا ہے۔"

"اور ہوا بھی چل رہی ہے۔"

"یہ تو اور بھی اچھا ہے۔" جاوید نے کہا "اٹھو

یہ موقع پھر نہیں آئے گا۔ تمھیں ہمت سے کام لینا چاہیئے۔"

دونوں بستروں سے نکل آئے اور پنجوں کے بل چلتے ہوئے صحن کی طرف بڑھے۔ ہوا چل رہی تھی۔ کبھی کبھی بجلی چمکتی لمحہ بھر کے لیے ہر چیز روشن ہو جاتی اور دوسرے ہی لمحے سب کچھ تاریکی میں ڈوب جاتا —— آسمان پر بادل اس طرح تلے کھڑے تھے، جیسے اب برسے کہ اب برسے —— دونوں دوست خاموشی سے صدر دروازے کی طرف بڑھے۔

اچانک اُنھوں نے باہر ایک آواز سُنی اور اُن کے قدم وہیں رُک گئے —— یہ آواز نہ تو ہوا کے چلنے کی تھی اور نہ بادل کے گرجنے کی —— یہ ایسی آواز تھی جیسے کوئی بھاری بوٹ فرش پر گھسیٹ کر چل رہا ہو۔ وُہ رُک کر آواز کو غور سے سُننے لگے —— آواز اب دروازے کے پاس آ کر رُک گئی تھی۔

"یہ کیسی آواز ہے؟" اسلم نے آہستہ سے کہا۔

"کوئی گھر کی نگرانی کر رہا ہے" جاوید بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اِس صُورت میں ہمارا باہر نکلنا خطرناک ہوگا" اسلم نے کہا۔

"ٹھیک کہتے ہو۔ آؤ۔ واپس چلیں" جاوید بولا۔

اور جس خاموشی سے وُہ بستروں سے نکل کر دروازے تک پہنچے تھے، اُسی خاموشی سے وُہ واپس بستروں میں پہنچ گئے۔

انھیں سوئے ہوئے مشکل سے ایک یا دو گھنٹے ہوئے ہوں گے کہ جاوید کی آنکھ کھل گئی — اُسے کھٹکے کی آواز آئی تھی۔ وُہ دم سادھے، چپ چاپ لیٹا رہا۔ دوبارہ پھر ویسی ہی آواز آئی تو اُس نے ہاتھ بڑھا کر اسلم کو جگایا اور اشارے سے اس آواز کو سُننے کے لیے کہا۔ اسلم اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

آواز کھڑکی کے باہر سے آئی تھی۔ اُنھوں نے سر گھما کر دیکھا تو کھڑکی کے شیشوں میں ایک دُھندلی سی شکل دکھائی دی۔ کھڑکی کے باہر کوئی شخص کھڑا تھا۔

"کھڑکی بند ہے" اسلم نے جاوید کے کان میں کہا۔

"نہیں" جاوید بولا "میں نے ہَوا کے لیے تھوڑی سی کھلی چھوڑ دی......"

ابھی بات اُس کے مُنہ ہی میں تھی کہ کِسی نے باہر سے ہاتھ ڈال کر کھڑکی کھولی اور پھر اُچک کر اندر آ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندھا کنواں

خالد جس غار میں گرا تھا وہ ایک کنواں تھا اور خوش قسمتی سے اُس میں پانی بھی تھا۔ کنواں خشک ہوتا تو اُس کی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔

پُرانے زمانے میں گھریلو استعمال کے لیے مکان کے اندر ہی کنوئیں کھود لیے جاتے تھے یہ کنواں بھی اِسی مقصد کے لیے بنایا گیا ہوگا لیکن اب رُستم علی اسے اپنے دشمنوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے استعمال کر رہا تھا۔

خالد پانی میں گرتے ہی نیچے گیا اور پھر اُوپر آیا۔ اُس کے ہاتھ کسی ایسی چیز کو تلاش کر رہے تھے جسے وہ پکڑ سکتا۔ اُسے کنوئیں کی گہرائی کا کوئی اندازہ نہیں تھا —— وہ تو صرف اتنا جانتا تھا کہ اگر وہ جلد ہی یہاں سے نہ نکلا تو یہ کنواں اس کی آخری آرام گاہ ثابت ہوگا —— شاید رستم علی کی خواہش بھی یہی تھی۔

اُس نے تیرنا شروع کیا اور بہت جلد اس کے ہاتھ ایک ٹھوس چیز سے ٹکرائے۔ یہ کنوئیں کی دیوار تھی —— لیکن وہ بہت چکنی اور پھسلواں تھی۔ اس پر اُس کی انگلیاں نہیں ٹھہرتی تھیں وہ سوچنے لگا کہ بس اب کوئی دم میں میرا خاتمہ ہُوا چاہتا ہے —— اُس کی قوت جواب دیتی جا رہی تھی۔ ہر گھڑی یُوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ بے دم ہو کر پانی کی تہہ میں اب گیا کہ اب گیا۔ لیکن عین اسی وقت اس کا ہاتھ ایک اور سخت چیز سے ٹکرایا۔ پہلے تو وہ اُسے پکڑنے میں ناکام رہا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے اسے ڈھونڈنے اور پکڑنے کی سر توڑ کوشش کرنے لگا اور آخر بڑی کوششوں کے بعد اُسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پکڑنے میں کامیاب ہو گیا —— یہ ایک زنجیر تھی ——

وُہ سوچنے لگا کہ پُرانے وقتوں میں جب کنوئیں کا پانی استعمال ہوتا ہو گا تو اس کی صفائی کے لیے لوگ زنجیر کے ذریعے نیچے اُترتے ہوں گے اس لیے کُچھ عجب نہیں کہ یہ زنجیر کنوئیں کی منڈیر تک پہنچتی ہو —— لیکن اس کے ساتھ ہی اسے یہ خیال بھی آیا کہ زنجیر بہت پُرانی ہو گی - اگر میں نے اس کے سہارے لٹک کر اُوپر کی طرف جانے کی کوشش کی تو کہیں یہ ٹوٹ نہ جائے - اُس نے دونوں ہاتھوں سے زنجیر کو کھینچ کر دیکھا —— زنجیر کافی مضبوط معلوم ہوتی تھی -

خُدا کا نام لے کر اس نے زنجیر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور پھر پیر کنوئیں کی دیوار پر ٹکا کر اُوپر چڑھنا شروع کیا - پانچ سات منٹ کی کوشش کے بعد وُہ لوہے کے اس موٹے سے کُنڈے تک جا پُہنچا جس میں یہ زنجیر بندھی ہوئی تھی - اُس نے ایک ہاتھ سے زنجیر

کو پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے کُنڈے کو ٹٹولا - کنڈا موٹا تو کافی تھا اور مضبوط بھی معلوم ہوتا تھا - لیکن تھا چھوٹا سا —— اس نے سوچا کہ اس پر تو میرا پیر بھی مُشکل سے ٹِک سکے گا —— لیکن چلو اِتنا ہی غنیمت ہے —— اور میرا خیال ہے کہ کنوئیں کی منڈیر بھی اس سے ذرا اُوپر ہی ہو گی -

ابھی وُہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اُسے اُوپر کی طرف آہٹ سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی روشنی کی شعاعیں کنوئیں میں داخل ہوئیں - اس نے چونک کر اُوپر کی طرف دیکھا - وہی خُفیہ شگاف جس کے ذریعے اُسے نیچے پھینکا گیا تھا پھر کُھل گیا تھا - خالد نے پہلے تو سوچا کہ وُہ مدد کے لیے آواز دے —— لیکن پھر اُسے رُستم علی کا خیال آ گیا اور وُہ زنجیر پکڑ کر پھر نیچے کی طرف اُترنے لگا -

اُس نے اپنا سر پانی سے اُوپر رکھا اور ایک ہاتھ میں زنجیر پکڑے رکھی - روشنی کی شعاعیں اب پانی پر پڑ رہی تھیں - خالد نے اُوپر کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف دیکھا ـــــ اُسے یُوں محسوس ہُوا جیسے دو شخص کنوئیں کے مُنہ پر جُھکے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک پانی پر ٹارچ کی روشنی ڈال رہا تھا اور دوسرا پانی کی سطح کو دیکھ رہا تھا خالد نے جھٹ اُسے پہچان لیا ـــــ یہ دوسرا شخص رُستم علی تھا۔

وُہ سوچنے لگا کہ اب کیا کروں ؟ ـــــ ٹارچ کی روشنی کوئی دم میں مجھ پر پڑے گی اور رستم علی دیکھ لے گا کہ میں ابھی تک زندہ ہوں ـــــ اُس نے رستم علی کے ہاتھ میں ایک چمکتی ہوئی سی چیز بھی دیکھی ـــــ وُہ خوف سے کانپ سا گیا اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اُسے اگر معلوم ہو گیا کہ میں پانی میں ڈوب کر نہیں مرا تو وُہ پستول کی گولی سے مجھے ختم کر دے گا۔

اُس نے ایک لمبا سانس لے کر پھیپھڑوں میں ہَوا بھری اور پھر زنجیر چھوڑ کر پانی میں غوطہ مار گیا۔

وُہ ایک منٹ کے لگ بھگ پانی کے اندر رہا اور پھر سطح پر اُبھر آیا۔ پانی سے سر نکالتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی اُس نے اُوپر کی طرف دیکھا —— وُہ شگاف اب بھی کھلا ہُوا تھا لیکن ٹارچ کی روشنی پانی پر نہیں پڑ رہی تھی۔ شاید وُہ دونوں آدمی آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ پھر ایک کھٹاک کی آواز کے ساتھ شگاف بند گیا اور کنویں میں دوبارہ تاریکی چھا گئی۔

خالد نے لپک کر زنجیر پکڑ لی اور پانچ منٹ تک چُپ چاپ کھڑا رہا۔ جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ رستم علی اور اُس کا ساتھی چلے گئے ہوں گے تو وُہ ایک بار پھر اُوپر کی طرف چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔

آہستہ آہستہ وُہ کُنڈے تک پہنچ گیا۔ اب سوال یہ تھا کہ کُنڈے پر پاؤں کیسے رکھا جائے۔ جب تک کُنڈے سے اُوپر کوئی ایسی جگہ نہ ہو جسے پکڑا جا سکے۔ اس وقت تک کُنڈے پر چڑھنے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی تھی۔ اُس نے سوچا کہ اس کُنڈے کے اُوپر دیوار میں ضرور کوئی ایسی جگہ ہو گی —— اُس نے

بائیں ہاتھ سے کُنڈے کو پکڑا اور پھر ذرا اُونچا ہو کر دائیں ہاتھ سے دیوار کو ٹٹولا —— ارے خوشی کے اس کی چیخ نکلتے نکلتے بچی۔ کنڈے کے عین اُوپر دیوار میں ایک بڑا سا طاق بنا ہُوا تھا۔

خالد نے طاق کا سہارا لے کر ایک پاؤں کُنڈے پر رکھ لیا اور دوسرا طاق میں رکھ کر دونوں ہاتھوں سے طاق کو ٹٹولنے لگا —— اس طاق کی بغلی دیواریں تو موجُود تھیں لیکن سامنے کی دیوار غائب تھی ——

اچانک اُسے خیال آیا کہ یہ طاق نہیں بلکہ سُرنگ کی قسم کا کوئی خفیہ راستہ ہو گا جو کہیں باہر نکلتا ہوگا۔ یہ خیال آتے ہی وُہ جھٹ اس سُرنگ میں داخل ہو گیا اور چاروں ہاتھوں پیروں پر چلتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگا —— سُرنگ کا فرش سخت اور کھُردرا تھا۔ اور اُسے آگے بڑھنا بہت مُشکل معلوم ہو رہا تھا۔

کوئی پندرہ منٹ تک وُہ کچھوے کی طرح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رینگتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ اُس کا خیال تھا کہ آگے چل کر یہ سُرنگ کچھ کشادہ ہو جائے گی اور وُہ کھڑا ہو کر اس میں سے گزُر سکے گا لیکن جب اُسے اپنے سامنے ایک بھاری رکاوٹ محسوس ہوئی تو اُس کی ہمت جواب دے گئی آگے راستہ بند تھا۔

اُس نے ہاتھوں سے سامنے کی رکاوٹ کو ہٹانے کی کوشش کی لیکن یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اُس کے ہاتھ پہلے ہی کافی زخمی ہو چکے تھے —— اچانک اُسے اُس چھوٹی سی ٹارچ کا خیال آیا جو اس کی جیب میں پڑی تھی۔ اُس نے جیب کی تلاشی لی۔ ٹارچ موجود تھی۔ اُس نے بٹن دبا کر دیکھا —— ذرا سی روشنی ہوئی اور بُجھ گئی اور پھر ذرا سی روشنی ہو گئی —— خالد نے اس روشنی کا رُخ سامنے کی رکاوٹ کی طرف کیا تو معلوم ہوا کہ راستہ بند نہیں کیا گیا بلکہ سُرنگ کا اُوپر کا حصّہ کمزور ہو کر نیچے گر گیا ہے جس سے وُہ بند ہو گئی ہے۔

اُس نے دونوں ہاتھوں سے جلدی جلدی مٹّی ہٹائی تو روشنی کے ساتھ ہوا کا ایک جھونکا بھی آیا۔ یہ روشنی اور ہوا اُوپر سے آ رہی تھی۔ وُہ تھوڑا سا اور آگے بڑھا اب اُسے ایسا معلوم ہُوا جیسے وُہ کسی موری کے مُنہ پر پہنچ گیا ہے۔ یہ موری اُس کے سر کے اُوپر سے ہو کر نیچے تک چلی گئی تھی اور اُس کی دیواریں دھوئیں سے کالی ہو رہی تھیں۔ اچانک اُسے خیال آیا کہ یہ موری نہیں بلکہ چمنی ہے اور اُس کے نیچے کمرے میں آتش دان بھی ہو گا۔ اُس نے سوچا کہ چمنی کے اُوپر چڑھنا فضول ہے کیونکہ اُوپر سے یہ بند ہو گی۔ اگر کسی طرح نیچے اُتر جاؤں تو آتش دان کے راستے باہر نکل جاؤں گا۔ اُس نے نیچے جُھک کر دیکھا۔ چمنی کی دیواروں کی اینٹیں جگہ جگہ سے اُکھڑی ہوئی تھیں اور خالی جگہوں پر آسانی سے پاؤں جمائے جا سکتے تھے۔ اس نے پاؤں نیچے لٹکائے اور بڑی احتیاط سے دیوار پر پاؤں ٹیکتا ہوا نیچے اُترنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چمنی کا نچلا حصہ کافی کشادہ تھا اور اس کے نیچے ایک بڑا سا خالی آتش دان صاف دکھائی دے رہا تھا ـــــ وُہ کافی نیچے پہنچ چُکا تھا اور اب چھلانگ لگا کر آتش دان میں کُودا ہی چاہتا تھا کہ کمرے میں چند آوازیں سُنائی دیں ـــــ وُہ سانس روک کر سُننے لگا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی شخص کسی کو حکم دے رہا ہے ـــــ خالد نے کان لگا کر غور سے سُنا تو جھٹ اُسے پہچان لیا یہ شخص رستم علی تھا۔

"دیکھو! تمھیں معلوم ہو چکا ہے کہ کیا کرنا ہے میں اب جا رہا ہوں اور کل رات سے پہلے واپس نہیں آ سکوں گا۔ اگر ڈاکٹر نفیس ہماری مدد کرنے پر آمادہ ہو جائے تو ہمارا ادھورا کام جلد مکمل ہو سکتا ہے۔ تم اُسے کل تک ضرور راضی کر لینا لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ بُڈھا مرے نہیں"

"بہت بہتر جناب!" کسی نے کہا "آپ اطمینان رکھیں۔ ہم اس بات کی پوری کوشش کریں گے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"

"ٹھیک ہے۔" رُستم علی کی آواز آئی "اس بات کا خیال بھی رکھنا کہ موتی باغ کے متعلق لوگوں کے دل میں کسی قسم کا شک پیدا نہ ہو۔ یہ بہت ضروری ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں جناب!"

"اور دیکھو تمھیں ان دونوں لڑکوں پر بھی نظر رکھنی چاہیے۔" رستم علی شاید اب کسی اور کو حکم دے رہا تھا "میں نہیں جانتا کہ اُن کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے۔ لیکن اگر وُہ ہمارے لیے کوئی مُصیبت پیدا کرنے کی کوشش کریں تو تمھیں فوراً کارروائی کرنی ہوگی۔ سمجھے؟"

"جی جناب!" جواب میں ایک آواز آئی۔

"میں اب چلتا ہوں۔" رُستم علی نے کہا "واپسی پر مجھے سب کام ٹھیک ملنے چاہیئں۔"

اس کے بعد خالد نے کسی کو باہر جاتے سُنا اور پھر دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔

"آؤ اب چلیں۔" کمرے میں وُہ دونوں آدمی ابھی موجود تھے۔ انہی میں سے کسی نے کہا تھا۔

"اگر کام میں کوئی کسر رہ گئی تو مالک زندہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں چھوڑے گا۔"

"تم فکر نہ کرو" دوسری آواز آئی۔ "ہم اپنا کام کرنا اچھی طرح جانتے ہیں ——— آؤ۔"

"ارے! یہ آتش دان میں پانی کہاں سے ٹپکنے لگا؟" کسی نے حیرت سے کہا۔

خالد کو چند قدم آتش دان کی طرف آتے سُنائی دیے۔ اُس نے اپنا سانس روک لیا۔ پھر ایک اور آواز آئی۔

"چھوڑو بھی ان فضول باتوں کو۔ کہیں اِدھر اُدھر سے ٹپک رہا ہو گا ——— آؤ چلیں۔ تمھیں کونسی یہاں آگ جلانی ہے۔"

اس کے بعد دروازہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ کمرے میں اب بالکل خاموشی تھی۔ خالد کا جی بار بار چاہتا تھا کہ نیچے کُود جائے لیکن وُہ یہ سوچ کر باز رہا کہ بے صبری سے کام لینا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ وُہ کچھ دیر اسی حالت میں لٹکا رہا اور اپنے کپڑوں سے ٹپکتے ہوئے غلیظ پانی کو دیکھتا رہا ——— اس پانی کی وجہ سے تو اُس کا بھانڈا ہی پھُوٹ چلا تھا۔

آخر اس نے سوچا کہ اب نیچے کُود جانے میں کوئی خطرہ نہیں۔ کیونکہ کمرے میں قبرستان کی سی خاموشی طاری تھی۔ وُہ آہستہ نیچے اُتر آیا۔

آتش دان سے باہر نکل کر اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا ——— شام ہو رہی تھی اور اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ وُہ عمارت کے کِس حصے میں ہے۔ اب اُس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ موتی باغ سے باہر نکلنے کا تھا۔ وُہ پنجوں کے بل چلتا ہُوا دروازے کے قریب آیا اور باہر جھانکنے لگا ——— عمارت کا یہ حصہ اُس کے لیے اَن دیکھا تھا لیکن اُسے اتنا یقین ضرور تھا کہ یہ حصہ عمارت کے مغربی حصے سے زیادہ دُور نہیں ہے۔

اُس نے سوچا کہ عقل مندی کی بات تو یہی ہے کہ میں جس راستے سے موتی باغ کے اندر داخل ہُوا تھا۔ اُسی راستے سے باہر نکل جاؤں لیکن مُصیبت یہ تھی کہ اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ وُہ کہاں ہے اور اس درخت تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہنچنے کے لیے کس طرف سے جانا چاہیے ج میں رستا بندھا ہُوا ہے کیا خبر کہ وُہ رستا اب ہے بھی کہ نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ رستم علی کسی آدمی کی نظر اس پر پڑ گئی ہو۔

خالد نے کمرے کے دروازے میں کھڑے ہو کر باہر دیکھا —— باہر ایک برآمدہ تھا دو ڈھائی گز کے فاصلے پر دائیں طرف کو م جاتا تھا —— اُس نے تھوڑی دیر ٹھہر کر ا کیا اور جب کوئی آواز سنائی نہ دی تو آہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہُوا اس کونے کی طرف بڑھا۔ کونے پر پہنچ کر اس نے دوسری طر دیکھا اور اُسے فوراً معلوم ہو گیا کہ یہ عمارت کا مغربی حصّہ ہے۔ اُس کے سامنے ایک کم تھا جس کا دروازہ آدھا کھُلا ہُوا تھا اور ا سے پرے ایک اور کمرہ دکھائی دے رہا تھا وُہ خاموشی سے اس کمرے میں پہنچ گیا۔

کمرے میں ایک بڑی سی میز اور اس کے گرد چند کرسیاں رکھی تھیں۔ اور کوئی سامان نہ تھا اس کا دوسرا دروازہ صحن میں کھُلتا تھا۔ اُ

کمرے میں سے نکل کر صحن میں پہنچ گیا۔ یہاں بھی اُسے کوئی شخص دکھائی نہیں دیا لیکن سامنے اُسے وُہ عمارتیں نظر آئیں جن کی مرمّت کر دی گئی تھی اور جنھیں اُس نے دُور بین سے دیکھنے کی کوشش کی تھی —— ان میں سے ایک عمارت کا دروازہ تھوڑا سا کھُلا ہُوا تھا۔ جیسے کوئی ابھی اسے کھول کر باہر گیا ہو اور چند لمحوں میں واپس آنے والا ہو۔

خالد نے اُس دروازے کی طرف قدم بڑھائے اُس نے سوچا کہ اندر جا کے معلوم کیا جائے کہ اس میں کیا ہے؟

لیکن اندر جا کر اُسے بڑی مایوسی ہوئی۔ یہ ایک بڑا سا گیراج تھا۔ جس کے اندر درمیانے سائز کا ایک ٹرک کھڑا تھا گیراج میں اس قسم کے کئی اور ٹرکوں کے لیے بھی جگہ موجود تھی۔ ٹرک کے اُوپر ایک ترپال پڑی ہوئی تھی۔ تیل کے چند خالی ڈبّے، پُرانے پہیّے اور چند اوزار بھی بے ترتیبی سے اِدھر اُدھر فرش پر پڑے تھے۔ دائیں طرف کی دیوار میں ایک اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دروازہ تھا جس میں ایک مضبوط قفل لگا ہوا تھا۔ خالد نے پہلے تو اُس دروازے کی درزوں میں سے اندر جھانکنے کی کوشش کی لیکن جب کچھ دیکھنے میں ناکام رہا تو قفل کو ہلا کر دیکھا۔ اسی وقت باہر کسی کے قدموں کی چاپ سُنائی دی۔

خالد نے جلدی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کمرے میں چُھپنے کے لیے صرف ایک ہی جگہ تھی اور وُہ تھی ٹرک میں۔ وُہ جلدی سے ٹرک کے اندر گھُس کر لیٹ ہی گیا۔ اُس نے پھاٹک کے کھُلنے کی آواز سُنی اور پھر قدموں کی آہٹ ٹرک کے پاس آ کر رُک گئی۔ دو آدمی تھے۔ خالد نے سوچا کہ ابھی کوئی دم میں انھیں میرا پتا چل جائے گا لیکن اُس کا خیال غلط نکلا۔ وُہ ٹرک کے پیچھے نہیں آئے۔ ایک آدمی ڈرائیور کی سیٹ پر جا بیٹھا اور دُوسرے نے دروازہ چوپٹ کھول دیا۔ جب ٹرک باہر نکل گیا تو اُس آدمی نے دروازے میں قفل ڈالا اور پھر ڈرائیور کے پاس بیٹھ گیا۔

خالد یہ سوچ کر خُوش ہو رہا تھا کہ میرے دُشمن ہی میرے ساتھ احسان کر رہے ہیں۔ موتی باغ کے پھاٹک پر ٹرک پھر رُکا۔ خالد کو ڈر تھا کہ کہیں ٹرک کی تلاشی نہ لی جائے لیکن کِسی کو شک ہوتا تو تلاشی لی جاتی پھاٹک کھُلا اور ٹرک زن سے اُس میں سے گزر گیا۔

ٹرک موتی باغ سے نکل کر کچھ دیر کچّی سڑک پر چلتا رہا اور پھر پکّی سڑک پر آ گیا۔ جب وُہ شہر کے باہر پہنچا تو رُک گیا اور دونوں آدمی نیچے اُتر کر ایک طرف کو چل دیے۔ یہ خالد کے لیے سُنہری موقع تھا۔ وُہ جلدی سے باہر نکلا اور پُوری رفتار سے شہر کی طرف بھاگنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ کون تھا؟

"ارے بھئی ڈرو نہیں میں ہوں خالد ——— تمھارا دوست۔"

جاوید اور اسلم جن کا خوف کے مارے خون خشک ہُوا جا رہا تھا ۔ خالد کی آواز سُن کر خوش ہو گئے اور ایک دم بستروں سے چھلانگ لگا کر کھڑکی کی طرف لپکے۔ جاوید کمرے میں روشنی کرنے ہی لگا تھا کہ خالد نے اُسے روک دیا اُس کے اندر آتے ہی بُوندا باندی شروع ہو گئی تھی جس نے تھوڑی دیر بعد موسلا دھار بارش کی شکل اختیار کر لی۔ خالد نے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمھیں ڈرا دیا لیکن اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں تم سے اِسی وقت مِلنا چاہتا تھا۔"

"آپ کہاں رہے اب تک؟" اسلم نے پُوچھا۔

"آپ نے رُستم علی کو دیکھا؟ آپ کی اس سے ملاقات ہوئی؟" جاوید بولا۔

جاوید اور اسلم نے کتنے ہی سوال کر ڈالے لیکن خالد نے انھیں ہاتھ کے اشارے سے خاموش کرتے ہوئے کہا۔

"ان باتوں کا یہ وقت نہیں ہے میں تو تمھیں یہ بتانے آیا ہوں کہ اس گھر کی نگرانی ہو رہی ہے۔ رُستم علی کے آدمی تم دونوں کی فکر میں ہیں۔ اس لیے تمھیں گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے۔"

"یہ ہمیں معلوم ہے۔" جاوید نے کہا "ہم نے اس آدمی کو دیکھا بھی ہے۔ ہم باہر جا رہے تھے کہ ———" اور جاوید نے تمام کہانی سُنا ڈالی۔

اور پھر اُنھوں نے غور سے اُس کا حلیہ دیکھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو بے اختیار ہنس پڑے۔

" ارے خالد بھائی آپ تو بالکل بھوت معلوم ہو رہے ہیں" جاوید ہنستے ہوئے بولا " کتنے ندی نالے پار کر کے آئے ہیں؟"

" یہ میں تمھیں صبح بتاؤں گا" خالد نے کہا۔

" اس وقت تو تم مجھے کوئی تولیا یا پاجامہ وغیرہ دو"

" پاجامہ تو کوئی نہیں ہے" جاوید نے کہا " تولیا البتہ ہے۔ یہی باندھ کر سو رہیں۔"

جاوید نے خالد کو تولیا دیا۔ خالد نے گیلے کپڑے اُتار کر کھونٹیوں پر لٹکا دیے اور تولیا باندھ کر بستر پر لیٹ گیا۔

" ارے ہاں!" وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر بولا۔

" کمرے میں پلنگ تو دو ہی ہیں۔ تم۔۔۔۔"

" آپ ہماری فکر نہ کیجیے" جاوید بولا " ہم ایک ہی پلنگ پر سو جائیں گے"

" تمھیں میری وجہ سے تکلیف اُٹھانا پڑی۔ خالد نے کہا " صبح جلدی اُٹھ جانا۔ ہم طارق کے گھر چلیں گے۔ اِس معاملے میں اس سے کافی مدد مِل

سکتی ہے"

صبح کو جب جاوید اور اسلم دن چڑھے تک بیدار نہ ہوئے تو جاوید کی امّی انھیں جگانے کے لیے آئیں اور جب اُنھوں نے کمرے میں ایک اجنبی نوجوان کو دیکھا تو حیران رہ گئیں انھوں نے جاوید اور اسلم کو جگایا اور خالد کی طرف اشارہ کر کے پُوچھا:

" یہ کون ہے؟"

" یہ ہمارے ایک دوست ہیں امّی!" جاوید نے کہا " اُن کا نام خالد احمد صدیقی ہے۔ کل رات یہ اپنے ہوٹل کو واپس جا رہے تھے کہ راستے میں بارش آ گئی اور یہ ہمارے پاس چلے آئے۔ اُس وقت خاصی رات جا چکی تھی۔ اس لیے ہم نے آپ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا"

اتنی دیر میں خالد بھی بیدار ہو چکا تھا۔ اُس نے اُٹھ کر بڑے ادب سے جاوید کی امّی کو سلام کیا اور بولا۔

" میں آپ سے اس تکلیف کی معافی چاہتا ہوں۔ میرا یہاں ٹھہرنے کا ارادہ نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن ان دونوں کے اصرار سے ٹھہر گیا۔ میں اِس تکلیف کے لیے ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں" جاوید کی امّی نے کہا "تم تینوں نہا دھو لو۔ اتنی دیر میں ناشتا تیار ہو جائے گا۔"

ناشتے سے فارغ ہوئے تو خالد نے جاوید کی امّی سے کہا۔

"میں چند دن کے لیے اپنے دوست طارق کے پاس جا رہا ہوں۔ اُس کی زمینیں یہاں سے سات آٹھ میل دُور ستراہ نامی گاؤں میں ہے۔ وہ پہلے یہیں پسرور میں رہا کرتا تھا۔ لیکن والد کی وفات کے بعد زمین کا کام سنبھالنے کے لیے وہاں چلا گیا ہے۔"

"اچھا! وہ طارق!" جاوید کی امّی نے کہا "اُسے اور اس کے دادا کو تو جاوید کے ابا جی اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہوئی۔" خالد نے کہا "میں چند دن کے لیے وہاں جا رہا ہوں۔ اگر

آپ اجازت دیں تو جاوید اور اسلم کو بھی لے جاؤں۔ انھیں بھی ذرا سیر تفریح کا موقع مِل جائے گا۔"

جاوید اور اسلم بھی مِنّتیں کرنے لگے اور آخر جاوید کی امّی نے انھیں خالد کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی —— کچھ دیر بعد ہی تینوں دوست ستراہ کی طرف روانہ ہو گئے —— ایک سائیکل پر اسلم اور جاوید تھے اور دوسری سائیکل پر خالد۔

رات کافی بارش ہوئی تھی لیکن اس وقت آسمان پر بادلوں کا کہیں نام نہیں تھا۔ خوب دھوپ نِکلی ہوئی تھی۔ آرام سے سائیکل چلاتے ہوئے وہ ڈیڑھ دو گھنٹے میں ستراہ کے قریب پہنچ گئے۔ گاؤں سے باہر ایک شخص سے انھوں نے طارق کے متعلق پوچھا تو اس نے انھیں اپنے ساتھ آنے کے لیے کہا۔

گاؤں سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹا سا مکان بنا ہوا تھا۔ تین چار کمرے اور ایک بڑا سا صحن۔ جس کے گرد اُونچی دیوار تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ تینوں اس شخص کے پیچھے اس مکان کے دروازے میں داخل ہو گئے۔

مکان کے اندر کوئی شخص نہیں تھا۔ لیکن صحن میں ایک درخت کے سائے میں چند چارپائیاں پڑی تھیں۔ اُس شخص نے چارپائیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"آپ لوگ یہاں بیٹھیں۔ میں طارق صاحب کو بلا کر لاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ وہ تینوں چارپائیوں پر بیٹھ گئے —— خالد نے اِدھر اُدھر دیکھ کر اندازہ لگایا کہ یہ جگہ ڈیرا ہے جو مہمانوں کے ٹھہرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ طارق کی رہائش گاؤں میں ہو گی —— تھوڑی دیر بعد طارق آ گیا۔ احاطے کے اندر داخل ہوتے ہی اُس نے نعرہ لگایا۔

"آؤ میرے یار خالی! تم سچ مچ آ گئے ہو یا میں خواب دیکھ رہا ہوں؟"

خالد نے کہا "تم نے مجھے اور میرے دوستوں کو یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ سو اب ہم آ

گئے ہیں تمہیں تکلیف تو ہو گی؟"..

"تکلیف کیسی" طارق نے کہا "مجھے تو خوشی ہو گی۔ بے حد خوشی —— تم تو صرف پونے دو آدمی ہو۔ یہاں تو سو سو آدمیوں کی براتیں ٹھہرتی ہیں —— لیکن تم یہاں نہیں میرے گھر میں رہو گے آؤ چلیں۔"

گاؤں کے سرے پر ہی طارق کا گھر تھا۔ وہاں سب سے پہلے لسی اور مکھن کے پیڑوں سے اُن کی تواضع کی گئی۔ پھر خالد نے مطلب کی بات چھیڑی۔

"دیکھو طارق! ہم یہاں سیر تفریح کے لیے نہیں آئے ہیں۔ ہم ایک مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ پسرور میں رہنا ہمارے لیے خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اس لیے ہم یہاں چلے آئے۔"

"کوئی بات نہیں" طارق نے کہا "میں تمہاری عادتوں سے واقف ہوں۔ تم نے پھر کوئی بلا اپنے سر لے لی ہو گی —— تم جب تک چاہو یہاں رہو۔ ہاں! تم مجھے اپنی مصیبت بھری کہانی تو سناؤ ذرا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خالد نے ساری سرگزشت اُسے سنا ڈالی——
موتی باغ کے ذکر سے تو طارق اُچھل پڑا اور
کہنے لگا۔

"موتی باغ میں تو بھوتوں کا ڈیرا ہے یار خالی!
اور مجھ میں بھوت سے لڑنے کا حوصلہ بالکل نہیں۔
پچھلی دفعہ میں نے ایک بھوت دیکھا تھا تو ڈر
کے مارے میرا قد دو انچ کم ہو گیا تھا۔ اب پھر
کسی بھوت سے سامنا ہو گیا تو میرا قد تو تمہارے
ان دوستوں سے بھی چھوٹا ہو جائے گا۔"

"مذاق چھوڑو" خالد نے کہا "یہ کوئی ہنسی کی
بات نہیں ہے۔"

اور واقعی جیسے جیسے خالد بیان کرتا گیا، طارق
کے چہرے پر سنجیدگی پیدا ہوتی گئی—— اُسے
جب یہ احساس ہوا کہ اس کے دوست کی جان
سخت خطرے میں ہے تو اس کے چہرے پر سختی
کے آثار پیدا ہو گئے—— اُس نے جاوید اور
اسلم کی طرف گہری نظروں سے دیکھا۔ خالد کے
ساتھ ساتھ اُن دونوں کی جان کو بھی خطرہ تھا۔
اب اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ تینوں پسرور سے

ستراہ کیوں آئے تھے۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" طارق نے خالد
سے دریافت کیا۔

"میرا خیال ہے کہ میں لاہور جاؤں اور اپنے
اخبار کے ایڈیٹر سے بات کروں۔" خالد نے کہا
"اس کے علاوہ مجھے یہ بھی معلوم کرنا ہے۔ کہ
اس شیشی میں کیا ہے جو میں نے رُستم علی کے
اٹیچی کیس سے نکالی ہے۔" اس سے رُستم علی کے
کام کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

"مجھے تمہاری رائے سے اتفاق نہیں" طارق
نے کہا "تم نے ابھی کہا تھا کہ رُستم علی دو دن
کے لیے باہر چلا گیا ہے۔ اس لیے لاہور کی
بجائے موتی باغ سے زیادہ معلومات حاصل ہو
سکتی ہیں۔ موتی باغ ہمارا راستہ دیکھ رہا ہے۔
ہم بڑے اطمینان سے اس کی تلاشی لے سکتے ہیں
اور اگر اُس رستم کے پنجے سے مُٹھ بھیڑ ہو
گئی تو پھر تو مزا ہی آ جائے گا۔"

خالد نے چونک کر طارق کی طرف دیکھا——
اُس کی زبانی "ہم" اور "ہمارا" کے الفاظ سُن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر اُسے حیرت ہوئی تھی۔

"تمھارا مطلب ہے کہ تم اس کام میں ہمارا ہاتھ بٹاؤ گے؟" خالد نے پوچھا۔

"خالی میرے یار!" طارق نے کہا "تم بھول گئے کہ میں نے اب سے پہلے کتنی مشکلوں میں تمھارا ہاتھ بٹایا ہے —— اس کام میں بھی تم مجھے اپنے برابر نہیں تو پیچھے ضرور پاؤ گے۔"

"اچھا" خالد نے کہا "لیکن پہلے تمھیں ایک کام کرنا چاہیے۔ گرینڈ ہوٹل سے میرا موٹر سائیکل لے آؤ۔ میں ہوٹل کے مالک کے نام رُقعہ لکھ دیتا ہوں۔"

"بہت اچھا" طارق نے کہا "میرے پاس جیپ موجود ہے۔ میں ابھی تمھارا موٹر سائیکل لے آتا ہوں۔"

خالد نے گرینڈ ہوٹل کے مالک کے نام رقعہ لکھ دیا اور طارق اُسی وقت جیپ لے کر پسرور کی طرف روانہ ہو گیا۔ گرینڈ ہوٹل پہنچ کر اُس نے مالک کو خالد کا رقعہ دیا اور پھر موٹر سائیکل جیپ میں رکھ کر واپس ستراہ کی طرف چل دیا۔

پسرور سے ذرا باہر آ کر اُس نے سڑک کے کنارے ایک ٹرک کھڑا دیکھا۔ انجن کا بونٹ، اُوپر اُٹھا ہُوا تھا اور ڈرائیور شاید انجن کی کوئی خرابی ٹھیک کرنے میں لگا تھا۔ طارق نے کوئی خاص خیال نہیں کیا —— گاڑی کا خراب ہونا اور ڈرائیور کا اس طرح رُک کر اُسے ٹھیک کرنا ایک عام بات تھی —— لیکن یہ عام بات نہیں تھی طارق کی جیپ کے گزرتے ہی ڈرائیور نے بونٹ بند کیا اور اپنی سیٹ پر آ بیٹھا۔ پھر طارق کی جیپ سے کوئی سو گز کا فاصلہ رکھ کر وُہ اس کا پیچھا کرنے لگا۔ طارق نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ محسوس نہیں کیا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے —— اُس کا دھیان تو سامنے کی طرف تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پکڑے گئے

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد طارق اور خالد تو جیپ لے کر موتی باغ روانہ ہو گئے اور جاوید اور اسلم سو گئے۔ طارق اپنے دادا کو ان دونوں کا خیال رکھنے کے لیے کہہ گیا تھا۔ اس لیے وہ اُن کے پاس بیٹھے رہے۔

تیسرے پہر جب اُن کی آنکھ کھُلی تو طارق کے دادا ان کے پاس نہیں تھے۔ شاید وہ کسی کام سے زنانے میں چلے گئے تھے —— دونوں نے اُٹھ کر ہاتھ منہ دھویا اور پھر آ کر چار پائیوں پر بیٹھ گئے۔ دونوں کے دماغ میں ایک ہی خیال تھا۔ وہ یہ سوچ کر اُداس ہو رہے تھے۔ کہ اُنہیں موتی باغ کے دلچسپ ڈرامے میں حصّہ لینے سے محروم کر دیا گیا ہے۔

"دیکھو تو" اسلم بولا "ہم اس معاملے میں شروع ہی سے شریک تھے۔ بلکہ یہ قِصّہ شروع ہی ہم سے ہوُا۔ اب خالد صاحب خود تو اپنے دوست کے ساتھ موتی باغ چلے گئے اور ہمیں یہاں نظر بند کر گئے ہیں۔"

"تم نہیں سمجھتے اسلم" جاوید نے کہا "خالد صاحب نہیں چاہتے کہ اُن کی وجہ سے ہمیں کوئی نقصان پہنچے اسی لیے وُہ ہمیں اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔"

اسلم نے کہا "میرا تو خیال ہے کہ ہمیں واپس پسرور چل کر موتی باغ کا راز معلوم کرنا چاہیے۔"

"نہیں" جاوید کہنے لگا۔ "خالد صاحب ہمیں یہاں چھوڑ کر گئے ہیں۔ ہمیں یہیں رہنا چاہیئے —— آؤ ذرا باہر کھیتوں میں گھوم پھر آئیں اس طرح تمہاری اُداسی بھی دُور ہو جائے گی۔ اور وقت بھی گزر جائے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں دوست بیٹھک سے باہر نکل کر صحن میں آگئے۔ صحن میں شیشم، شہتوت اور نیم کے درخت لگے ہوئے تھے۔ ایک طرف مویشیوں کے باندھنے کی جگہ تھی۔ چاروں طرف دیوار تھی جس میں ایک بڑا سا پھاٹک تھا۔ دونوں دوست پھاٹک کی طرف بڑھے۔

وہ پھاٹک کے قریب پہنچے ہی تھے کہ باہر سے کسی نے گردن اُچکا کر اندر دیکھا۔ غنڈوں کی طرح لمبی لمبی مونچھیں، سر اور داڑھی کے بال اُلجھے ہوئے، لال لال آنکھیں اور بے حد گندہ لباس ــــ اُس نے جاوید اور اسلم سے پوچھا۔

"چودھری صاحب ہیں؟"

اسلم نے خیال کیا کہ اُس نے طارق کے متعلق پوچھا ہے۔ اُس نے کہا:

"وہ یہاں نہیں ہیں۔"

"چودھری صاحب یہاں نہیں ہیں۔" وہ شخص بڑبڑایا۔ پھر اُن کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے ہوئے کہنے لگا "تو تم دونوں لڑکے ہی یہاں

ہو۔ میں چودھری صاحب سے ملنا چاہتا تھا کہ شاید کوئی کام مل سکے۔ اچھا اُن کے والد صاحب تو ہوں گے؟"

یہ کہہ کر وہ اندر آگیا۔ جاوید اور اسلم کو اس سے خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اسے اندر آتے دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے۔ اتنے میں اندر سے طارق کے دادا جان نکل آئے۔ انھیں دیکھتے ہی وہ شخص تیزی سے باہر نکل گیا۔ طارق کے دادا جان قریب آ کر بولے۔

"بچّو! میں ذرا کھیتوں تک جا رہا ہوں۔ تم چلو گے میرے ساتھ؟"

"ضرور ضرور" جاوید اور اسلم نے کہا ــــ اور اُن کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے جو واقعہ ہُوا تھا، اُسے اُنھوں نے معمولی بات سمجھ کر بھلا دیا اور طارق کے دادا سے اُس کے متعلق ایک لفظ تک نہیں کہا۔

طارق کے دادا مختلف پگڈنڈیوں پر سے گزرتے ہوئے ایک کھیت کے پاس پہنچ کر رک گئے۔ یہاں کچھ آدمی کام کر رہے تھے۔ طارق

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے دادا تو اُن کے پاس بیٹھ گئے اور دُو
دونوں اِدھر اُدھر گھومنے لگے۔ دُور دُور تک کھیت
کھڑے لہلہا رہے تھے۔ طارق کے دادا نے
اُنھیں زیادہ دُور نہ جانے کی تاکید کی تھی۔ لیکن
وُہ قُدرت کے ان نظّاروں کو دیکھنے میں ایسے
محو ہوئے کہ اُن کی تاکید کو بالکل ہی بھُول گئے
اور کہیں سے کہیں جا پہنچے۔ اچانک جاوید کو
واپس جانے کا خیال آیا اور وُہ بولا:

"اسلم! اب ہمیں واپس چلنا چاہیے۔ ایسا نہ
ہو راستہ بھُول جائیں۔"

اپنے خیال میں وُہ جس طرف سے آئے تھے،
اُسی طرف کو واپس ہوئے لیکن کافی دُور جا کر بھی
انھیں کوئی جانی پہچانی جگہ دکھائی نہ دی تو وُہ
ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے۔

"یہ تو ہم کسی اور ہی طرف کو جا رہے ہیں۔"
اسلم نے کہا "ہم اس طرف سے تو نہیں آئے
تھے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" جاوید نے کہا "ہم
غلط راستے پر جا رہے ہیں۔"

جاوید نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ قریب ہی مٹّی کا
ایک ٹیلا تھا۔ جاوید نے کہا۔

"آؤ اس ٹیلے پر چڑھ کر دیکھتے ہیں۔ اونچی
جگہ ہے۔ یہاں سے ہمیں طارق کے دادا اور
اُن کے آدمی ضرور دکھائی دے جائیں گے۔"

دونوں دوست ٹیلے پر چڑھ گئے اور اُچک
اُچک کر چاروں طرف دیکھنے لگے —— پھر ایک
دم جاوید نے اسلم کا بازو پکڑ کر نیچے کی طرف
اشارہ کیا۔ ٹیلے کے نیچے وہی شخص کھڑا تھا
جس نے مکان کے پھاٹک پر اُن سے چودھری
صاحب کے متعلّق پُوچھا تھا۔ اُس کی نگاہ اُنھی
پر جمی ہوئی تھی۔ اُس نے اشارے سے انھیں
نیچے آنے کے لیے کہا۔

اسلم اور جاوید کے دل میں کھُد بُد ہوئی۔ وُہ
سمجھ گئے کہ یہ غنڈا ان ہی کے پیچھے پڑا ہُوا
ہے —— وُہ تیزی سے ٹیلے سے اُترے
اور گاؤں کی طرف بھاگے —— اور وُہ آدمی بھی
ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

دونوں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن وُہ آدمی بھی ان کے پیچھے لگا ہوُا تھا۔ انھیں ہر گھڑی یہ دھڑکا لگا ہوُا تھا کہ وُہ غنڈا اُن کے سر پر اب آیا کہ آیا —— وُہ اسی کوشش میں تھے کہ جلد سے جلد گاؤں پہنچ جائیں یا راستے میں کوئی مکان یا جھونپڑی آئے تو اُس میں گھُس جائیں —— دو ایک جگہ وُہ گرے بھی، اور چوٹیں بھی لگیں لیکن ان چوٹوں سے بے پروا وُہ آگے ہی آگے بھاگتے رہے —— کچھ دُور جا کر انہیں ایک احاطہ دکھائی دیا —— وُہ بھاگتے ہوئے اس کے اندر گھُس گئے اور پھاٹک بند کر لیا۔

اس احاطے کے عین سامنے گنّوں کا ایک کھیت تھا۔ اس لیے غنڈے کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ جاوید اور اسلم احاطے کے اندر داخل ہو گئے ہیں۔ اس احاطے کی دیوار بالکل سڑک کے ساتھ تھی۔ غنڈا کھیت میں سے گزُر کر آیا اور احاطے کی طرف آنے کی بجائے سڑک کی طرف نکل گیا۔

لیکن آگے جانے کی بجائے وُہ وہیں سڑک پر کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ جاوید اور اسلم

کو احاطے کی دیوار پر سے اُس کا سر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ کوئی آدھ گھنٹے تک وُہ وہیں کھڑا رہا اور جاوید اور اسلم اندر دبکے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر ایسی آواز آئی جیسے کوئی کار سڑک پر آ کر رُکی ہے۔ اس کے ساتھ ہی کار کا دروازہ کھُلنے اور پھر بند ہونے کی آواز آئی۔ اسلم بھاگ کر احاطے کی دیوار کے قریب پہنچا اور اس کے اُوپر سے جھانک کر اُس موٹر کار کو دیکھا —— وہ ایک سیاہ رنگ کی بڑی سی کار تھی —— وُہ دیکھتے ہی پہچان گیا —— یہ کار رُستم علی کی تھی۔

واپس آ کر اُس نے جاوید کو بتایا تو وُہ بولا:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ رستم علی کے گروہ کا آدمی تھا۔ انھیں ہمارا پتا چل گیا ہے۔ خدا خیر کرے۔ کہیں خالد صاحب اور طارق کسی مُصیبت میں نہ پھنس جائیں۔"

احاطے کے اندر شہتوت کے درخت کے نیچے ایک شخص چارپائی پر بیٹھا حُقّہ پی رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا اور حیرانی سے اُن دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جاوید اور اسلم اُس کی طرف بڑھے اور اس سے پہلے کہ وُہ اُن سے کچھ پوچھتا، جاوید نے جلدی سے کہا:

"میاں جی! ہمیں طارق صاحب کے مکان پر چھوڑ آیئے۔ مہربانی ہوگی۔"

"آؤ" اُس شخص نے چارپائی سے اُٹھتے ہوئے کہا اور پھر ایک ہاتھ میں حُقّہ تھام کر احاطے سے باہر نکل آیا۔

مکان پر پہنچ کر اُن کی جان میں جان آئی۔ تھوڑی دیر بعد ہی طارق کے دادا بھی آ گئے اُنھوں نے دونوں لڑکوں کو دیکھا تو خوش ہو گئے۔ جاوید اور اسلم نے اُن سے اُس واقعے کا بالکل ذکر نہیں کیا جو ابھی تھوڑی دیر پہلے اُنھیں پیش آیا تھا۔

اُنھوں نے کچھ دیر خالد اور طارق کی واپسی کا انتظار کیا۔ آخر یہ صلاح ٹھہری کہ اگر صبح تک وُہ واپس نہ آئے تو ہم خود پسرور جا کر اُن کا پتا کریں گے ——— یہ طے کرنے کے

بعد دونوں سو گئے ——— اُن کے بستر بیٹھک میں ساتھ ساتھ بچھے تھے۔ ذرا فاصلے پر طارق کے دادا جان کا بستر تھا۔

وُہ کوئی دو تین گھنٹے ہی سوئے ہوں گے کہ کھٹکے سے اسلم کی آنکھ کھُل گئی۔ وُہ اُٹھ بیٹھا اُسے یُوں محسوس ہُوا جیسے باہر کوئی کار آ کر رُکی ہے۔ پھر اُسے ہلکی سی سیٹی کی آواز سنائی دی۔

اسلم بستر سے نکل کر کھڑکی کی طرف آیا اور باہر جھانک کر دیکھا۔ پھاٹک کے قریب ایک جیپ کھڑی تھی ——— کوئی آدمی جیپ کے قریب کھڑا تھا اور اُسے اپنی طرف آنے کا اِشارہ کر رہا تھا۔

اسلم نے آہستہ سے کھڑکی کھول دی۔ وُہ آدمی کھڑکی کے قریب آ گیا اور آہستہ سے بولا:

"جلدی کرو اُنھوں نے تمھیں بلایا ہے ——— چُپ چاپ چلے آؤ۔ وُہ موتی باغ میں ہیں۔"

اندھیرے کی وجہ سے وُہ اُس شخص کو تو پہچان نہیں سکا لیکن جیپ کو دیکھنے سے اطمینان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو گیا کہ یہ طارق صاحب ہی کی ہے۔ وُہ دبے پاؤں جاوید کے بستر کے پاس آیا اور اُسے جگا کر ساری بات بتائی۔

دونوں دوست جلدی جلدی تیار ہو کر خاموشی سے باہر نکلے —— لیکن جب جیپ کے قریب پہنچے تو کسی نے پیچھے سے جکڑ لیا۔ اُنھوں نے شور مچانے کے لیئے مُنہ کھولا تو اس میں کپڑا ٹھونس دیا گیا اور پھر ہاتھ پاؤں باندھ کر دونوں کو جیپ کے اندر ڈال دیا۔ ایک سیکنڈ بھی نہیں لگا تھا کہ جیپ فرّاٹے بھرنے لگی۔

کوئی آدھ گھنٹے بعد جیپ ایک جگہ جا کر رُکی اور کُچھ آدمیوں نے جاوید اور اسلم کو گھسیٹ کر باہر نکالا۔ چاروں طرف اندھیرا تھا۔ وُہ لوگ اُن کو تھیلوں کی طرح پیٹھ پر ڈال کر ایک عمارت کی طرف لے چلے۔ جاوید اور اسلم نے اندازہ لگایا کہ یہ جگہ ضرور موتی باغ ہو گی۔ لیکن عمارت میں داخل ہونے سے پہلے اُن آدمیوں نے اُن کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دیں۔ اب جاوید اور اسلم کو کُچھ پتا نہیں تھا

کہ یہ لوگ اُنھیں کہاں لے جا رہے ہیں۔ البتّہ اُنہیں یہ ضُرور محسوس ہو رہا تھا کہ وُہ سیڑھیاں چڑھ رہے ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھُلا اور وُہ آدمی اُن کو لے کر کمرے کے اندر داخل ہوئے اُنھوں نے دونوں کو فرش پر پٹخ دیا اور باہر نکل گئے —— اس کے بعد کمرے کا دروازے بند ہونے کی آواز سُنائی دی۔

کمرہ بند ہوتے ہی جاوید اور اسلم نے اپنے آپ کو آزاد کرانے کی کوششیں کی۔ اُن کے ہاتھ پاؤں جلدی میں باندھے گئے تھے۔ اس لیے زیادہ کس کر نہیں بندھے تھے۔ جاوید نے جلد ہی اپنا ایک ہاتھ کھول لیا۔ اس کی مدد سے اُس نے آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹّی اُتار دی اور مُنہ میں ٹھونسا ہُوا کپڑا بھی نکال پھینکا۔ اس کے بعد پیروں کی رسّی کھولنا کُچھ ایسا مشکل کام نہ تھا۔

کمرے میں بالکل تاریکی تھی۔ جاوید ٹٹولتا ہُوا اسلم کے پاس گیا۔ وُہ بھی رسّی کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جاوید نے اُس کی آنکھوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر بندھی ہوئی پٹی کھولی، منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا نکالا اور پھر اُس کے ہاتھ پاؤں کھول دیے۔ اب اُنھوں نے ٹٹول ٹٹول کر اس کمرے کو دیکھنا شروع کیا جس میں وُہ قید تھے۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا اور اس میں فرنیچر نام کی کوئی شے نہیں تھی۔ نہ کوئی کھڑکی تھی اور نہ کوئی الماری۔ جہاں بھی اُن کا ہاتھ پڑا، دیوار کے سوا اور کوئی چیز محسوس نہیں ہوئی۔ دروازے کو اُنھوں نے دھکا دے کر کھولنے کی کوشش کی لیکن اس میں شاید باہر سے "تالا لگا تھا۔ مایوس ہو کر وُہ فرش پر بیٹھ گئے۔

چاروں طرف تاریکی تھی اور خاموشی —— وُہ چُپ چاپ بیٹھے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ کمرے کے باہر بھاری قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وُہ سنبھل کر بیٹھ گئے۔ قدموں کی آواز نزدیک آتی گئی۔ اور پھر دروازے پر آ کر رُک گئی۔ اس کے بعد دروازہ کھُلا —— وُہ دونوں ایک دم اُٹھے اور پیچھے دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔

دروازہ کھلتے ہی تیز روشنی اندر داخل ہوئی جس سے ان دونوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ تھوڑی دیر بعد جب ان کی آنکھیں روشنی سے مانوس ہوئیں تو اُنھوں نے اپنے سامنے تین آدمیوں کو دیکھا۔ دو آدمیوں کے ہاتھ میں گیس لیمپ تھے۔ اُنھوں نے لیمپ فرش پر رکھ دیئے اور چند قدم پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ تیسرا آدمی جاوید اور اسلم کی طرف بڑھا۔ یہ رُستم علی تھا۔

چند لمحے رُستم علی خاموش کھڑا جاوید اور اسلم کو گھورتا رہا۔ وُہ دونوں دیوار سے پیٹھ لگائے کھڑے تھے۔ اُن کے ہونٹ خشک ہوئے جا رہے تھے اور ڈر کے مارے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے۔

"تمھارا دوست کہاں ہے؟" رستم علی نے کڑک کر پوچھا۔

جاوید اور اسلم خاموش رہے۔

"میرے سوال کا جواب دو!" رُستم علی نے دوبارہ کہا "کہاں ہے تمھارا دوست؟"

"کون سا دوست؟" جاوید نے آہستہ سے کہا۔

"یہ خیال مت کرنا کہ جھوٹ بول کر تم بچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکو گے۔" رُستم علی نے کہا "تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میری مُراد کِس شخص سے ہے۔ وُہ یہاں چوروں کی طرح داخل ہُوا اور پھر ہمیں چکمہ دے کر بھاگ نکلا۔ بتاؤ وُہ کہاں ہے؟ یاد رکھو میرا نام رُستم علی خان ہے۔ میں نے بڑوں بڑوں کے ہوش ٹھکانے کر دیے ہیں۔ تم کس کھیت کی مُولی ہو۔

رُستم علی کی آواز غُصّے سے کانپنے لگی تھی۔ لیکن فوراً ہی اُس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا اور بڑی نرمی سے کہا۔

"تم بچّے ہو مجھے تم پر ترس آتا ہے۔ میں تمھارے ساتھ سختی کرنا نہیں چاہتا۔ اگر تم مُجھے اپنے دوست کے متعلق بتا دو گے تو تمھیں کُچھ نہیں کہا جائے گا۔"

"ہم کُچھ نہیں جانتے۔" جاوید نے کہا "تم جو ہمیں آدھی رات کے وقت دھوکے سے اُٹھا لائے ہو تو اِس کا نتیجہ تُمھارے حق میں اچھا نہیں ہو گا۔"

رُستم علی نے غُصّے سے دانت پیسے اور پیچھے

کھڑے ہوئے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔

"میں تُم جیسے ضدی لڑکوں سے نمٹنا اچھی طرح جانتا ہوں۔"

جاوید اور اسلم خوف سے کانپ کر رہ گئے۔ اُس شخص نے رُستم علی کے ہاتھ میں ایک کوڑا دے دیا تھا۔ رُستم علی نے کوڑے کو زور سے فرش پر مارا اور اُس آدمی سے کہا:

"اِن کی پیٹھ ننگی کرو ـــــ"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غیبی امداد

پسرور پہنچ کر خالد اور طارق نے جیپ تو گرینڈ ہوٹل میں ہی کھڑی کر دی اور خود پیدل موتی باغ جانے کا فیصلہ کیا۔ خالد کی رائے تھی کہ رستے کے ذریعے ہی اندر داخل ہونا چاہیے۔ وُہ دونوں موری کے قریب پہنچے تو رسا وہاں موجود تھا —— شاید رستم علی کے آدمیوں کی اس پر نظر نہیں پڑی تھی۔ وُہ دونوں باری باری رسے کے ذریعے موتی باغ کے اندر پہنچ گئے۔ اُس وقت سُورج ڈُوب رہا تھا۔

وُہ جھاڑیوں میں سے ہوتے ہوئے اس دروازے کی طرف بڑھے جس سے جاوید اور اسلم اور پھر خالد اندر داخل ہُوا تھا خالد کو یہ دیکھ کر بڑی حیرانی ہوئی کہ دروازہ بند ہے۔ لیکن یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے وُہ پریشان ہو جاتا مکان کے اندر داخل ہونے کے اور کتنے ہی راستے موجُود تھے۔ اُنھوں نے پہلے یہ اطمینان کیا کہ اِرد گِرد کوئی شخص نہیں ہے۔ پھر اُنھوں نے ایک ٹُوٹی ہوئی، کھڑکی کو دھکا دے کر کھولا اور اس میں سے کُود کر اندر داخل ہو گئے۔

چاروں طرف قبرستان کی سی خاموشی تھی۔ خالد اور طارق بڑے ہال سے گزرتے ہوئے لائبریری تک پہنچ گئے۔ خالد اُن باتوں کو یاد کر کے کانپ گیا جو اسے یہاں پیش آئی تھیں۔ لیکن جلدی ہی اُس نے خوف کو دل سے نکال دیا۔ اور آگے بڑھ کر خانوں کو دھکا دیا۔ خانوں کے پیچھے دروازہ نمُودار ہُوا لیکن اس میں تالا پڑا تھا اور اُن کے پاس کوئی ایسا اوزار نہیں تھا جس سے اُسے کھولتے۔ اس لیے لائبریری سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نکل کر اُنھوں نے خُفیہ زینے کا رُخ کیا۔ خالد آگے آگے تھا اور طارق پیچھے پیچھے اس زینے کے ذریعے وُہ اُوپر کی منزل کے برآمدے میں پہنچے اور پھر اُن سیڑھیوں تک گئے۔ جو تیسری منزل کی طرف جاتی تھیں۔

اُنھوں نے جلدی جلدی سیڑھیاں طے کیں اور اُوپر پہنچے۔ وہاں چند چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے جن میں اُن کی دلچسپی کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس لیے وُہ اُنھیں بیزاری سے دیکھ رہے تھے کہ اچانک کسی کے کراہنے کی مدھم سی آواز آئی۔

"بھوت!" طارق نے کہا۔

اُنھوں نے اپنے کان کھڑے کیے۔ لیکن دوبارہ آواز نہیں آئی۔

"ہوا ہوگی" خالد نے کہا۔

وُہ آگے بڑھے ہی تھے کہ پھر وہی آواز سنائی دی ـــــ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آواز نیچے کسی جگہ سے آ رہی ہے۔

"آؤ اُس کمرے میں چلتے ہیں" جس میں ہم

نے رُستم علی کو داخل ہوتے دیکھا تھا۔"

وُہ واپس مڑے اور سیڑھیاں اُتر کر دوسری منزل کے اُس کمرے کے سامنے آ کھڑے ہوئے جس کا ذکر خالد نے کیا تھا۔

"میں اسے کھولنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم باہر کا دھیان رکھنا" خالد بولا۔

اس کا خیال تھا کہ دروازے میں تالا لگا ہوگا لیکن وُہ کھلا ہُوا تھا۔ صرف باہر سے کُنڈی لگی تھی۔ اُس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ طارق اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔ خالد نے ٹارچ جلائی اور پھر جو اُنھوں نے منظر دیکھا ـــــ اُس سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرا تھا۔ سامنے والی دیوار کے پاس ایک پلنگ بچھا تھا۔ جس پر کوئی آدمی پڑا کراہ رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز سُن کر اُس نے کہنیوں کے بل ذرا سا اُٹھ کر اُن کی طرف دیکھا ـــــ وُہ بہت بُوڑھا تھا اور برسوں کا بیمار دکھائی دیتا تھا ـــــ اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سفید بال اور اندر کی طرف دھنسی ہوئی آنکھیں اور پھر ان آنکھوں سے جھلکتا ہُوا خوف دیکھ کر خالد اور طارق کو بڑا ترس آیا۔ اُنھوں نے آگے بڑھ کر اس کو تسلّی دی۔

"ڈرو نہیں بابا! ہم تمھارے دوست ہیں"

خالد کے ان الفاظ سے اس شخص کو کچھ ڈھارس ہوئی اور اُس کی آنکھوں سے خوف دُور ہو گیا۔

"بابا تُم کون ہو؟ تمھارا کیا نام ہے؟" خالد نے جلدی سے پُوچھا۔

"نفیس" اُس شخص نے آہستہ سے کہا ـــــ "ڈاکٹر نفیس"

"ڈاکٹر نفیس!" خالد چونک گیا۔ وُہ یہ نام رُستم علی کی بھی زبانی سُن چکا تھا۔

"دیکھو طارق" اُس نے طارق سے کہا "ہمیں اس شخص کو یہاں سے باہر نکالنا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رُستم علی نے اس پر بہت ظلم کیے ہیں اس کے ذریعے ہمیں موتی باغ کا راز معلوم ہو سکے گا"

"میرا بھی یہی خیال ہے" طارق نے کہا "لیکن سوال یہ ہے کہ اسے باہر کیسے لے جائیں؟ یہ تو اِتنا کمزور ہے کہ شاید ایک قدم بھی نہ چل سکے"

وُہ سوچنے لگے کہ کیا کریں کہ اتنے میں نیچے سے ایک آواز سُنائی دی۔ وُہ کمرے سے باہر آ گئے اور برآمدے کی کھڑکی میں سے جھانک کر نیچے دیکھا ـــــ ایک بڑی سی سیاہ کار اور اس کے ساتھ ایک ٹرک کھڑا تھا۔

خالد نے ڈاکٹر نفیس والے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور طارق سے کہا:

"ہم یہاں ٹھہر کر انتظار کریں گے اور دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے"

وُہ پنجوں کے بل چلتے ہوئے ایک اور کمرے میں چلے گئے۔ اس کمرے کو اُنھوں نے بڑی سوچ سمجھ کے بعد چُنا تھا۔ کیونکہ ڈاکٹر نفیس کے کمرے تک جانے کے لیے اس کمرے کے پاس سے گزرنا پڑتا تھا۔ خالد اور طارق انتظار کرکرکے اُکتائے جا رہے تھے کہ اچانک انھیں کمرے کے باہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برآمدے میں گھسٹتے ہوئے قدموں کی چاپ سُنائی دی اور اس کے ساتھ ہی مدھم سی روشنی بھی ہوئی۔ وہ دونوں اُدھ کھلے دروازے کی آڑ میں کھڑے ہو کر آنے والے کا انتظار کرنے لگے۔

جب وہ شخص دروازے کے بالکل قریب آ گیا تو خالد نے اُسے غور سے دیکھا وہ کبڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ خالد اور طارق بجلی کی طرح اُس پر جھپٹے اور اس سے پہلے کہ وہ منہ سے کوئی آواز نکالتا، خالد نے اُس کے جبڑے پر اِس زور کا مُکّا رسید کیا کہ وہ بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا ــــ وہ اُسے اُٹھا کر کمرے میں لے گئے اور ایک طرف فرش پر ڈال دیا۔

"تم انھیں ٹھکانے لگاتے جاؤ۔ میں ان کی گنتی کرتا جاؤں گا۔" طارق نے ہنس کر کہا۔

مشکل سے دو تین منٹ گزرے ہوں گے کہ نیچے پھر موٹر کی آواز سُنائی دی۔ وہ فوراً کھڑکی کی طرف لپکے۔ باہر اِتنی روشنی نہیں تھی کہ انھیں صاف دکھائی دیتا۔ لیکن پھر بھی طارق

نے اپنی جیپ پہچان لی۔ وہ حیرت سے اُچھل کر بولا:

"ارے! یہ تو میری جیپ معلوم ہوتی ہے!"

وہ اُسی وقت نیچے جا کر اُن لوگوں پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن خالد نے اُسے روکا اور گھبرا کر بولا:

"یہ جیپ سے کیا چیز نکال رہے ہیں؟ تھیلے سے لگتے ہیں؟"

دو آدمی پیٹھ پر کچھ اُٹھا کر عمارت کے اندر داخل ہوئے۔ ایک تیسرا آدمی اُن کے پیچھے پیچھے تھا ــــ جیپ انھوں نے دوسری گاڑیوں کے ساتھ ہی کھڑی کر دی تھی۔

خالد اور طارق انتظار کرنے لگے کہ کوئی ڈاکٹر نفیس کے کمرے کی طرف آئے تو وہ اُسے نشانہ بنائیں لیکن انھیں انتظار کرتے ایک گھنٹا گزر گیا اور کوئی شخص اُس طرف نہیں آیا ــــ پھر ایک چیخ نے اس خاموشی کو توڑا ــــ یہ چیخ کسی لڑکے کی تھی۔

"جلدی کرو طارق! خالد نے کمرے سے باہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نکلتے ہوئے کہا۔

وُہ دونوں تیزی سے اس طرف کو بھاگے جدھر سے چیخ کی آواز آئی تھی —— سامنے والے ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ وُہ اسی طرف کو لپکے۔ ایک آدمی دروازے میں کھڑا تھا۔ وُہ قدموں کی چاپ سُن کر مُڑا، لیکن خالد کے زور دار مکّے نے اُسے فرش پر لِٹا دیا۔ طارق نے آگے بڑھ کر دُوسرے شخص کی خبر لی اور اس سے پہلے کہ وُہ سنبھلتا، اُسے اُٹھا کر فرش پر دے پٹخا۔

"باہر نکل آؤ لڑکو" خالد نے چیخ کر کہا "تُم ان کی حفاظت کرو طارق میں اس رستم کے بچّے سے نپٹتا ہوں۔"

جاوید اور اسلم دروازے کی طرف لپکے اور خالد رُستم علی کی طرف بڑھا۔ اس کی آنکھیں شعلے اُگل رہی تھیں۔ اُس نے آگے بڑھ کر رستم علی کے ایک مُکّا رسید کیا۔ رُستم علی لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا اور پھر اندھا دُھند خالد پر کوڑے برسانے لگا۔ اتنے میں وُہ دونوں آدمی بھی پیٹھ

سہلاتے ہوئے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور حملہ کرنے کی نیّت سے خالد کی طرف بڑھے۔

"خبردار خالد" طارق للکارا "دروازے کی طرف آ جاؤ"

خالد پچھلے قدموں دروازے کی طرف ہٹنے لگا اور طارق نے ایک دم آگے بڑھ کر لیمپ اُٹھایا اور اُن دونوں آدمیوں کے دے مارا۔ وُہ چیخ مار کر پیچھے ہٹے۔ اب خالد کمرے کے باہر آ گیا تھا۔ طارق بھی جلدی سے باہر نکلا اور کھٹ سے دروازہ بند کر دیا۔

اب وہ تیزی سے باہر کی طرف لپکے۔ طارق نے تینوں کو جلدی جلدی جیپ میں بٹھایا اور جیپ سٹارٹ کر دی —— موتی باغ کا بڑا دروازہ کھُلا ہُوا تھا —— باہر نکلتے ہی اُس نے جیپ کو ستراہ کی طرف جانے والی سڑک پر ڈال دیا۔

جب جاوید اور اسلم کے ہوش بجا ہوئے تو اُنھوں نے خالد اور طارق کو اپنی داستان سُنائی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اُس نے تمہیں مارا تو نہیں؟" خالد نے پوچھا

"نہیں" جاوید نے کہا "اُس نے مارنے کے لیے کوڑا اُٹھایا ہی تھا کہ میں چیخ اُٹھا —— آپ وقت پر پہنچ گئے تھے۔"

ستراہ پہنچ کر خالد نے طارق سے کہا:

"دیکھو طارق! میں ابھی لاہور جاتا ہوں۔ مجھے اس شیشی کے متعلق معلوم کرنا ہے کہ اس میں کیا ہے۔ کل ہی واپس آنے کی کوشش کروں گا۔"

لاہور میں

خالد بڑے اِطمینان سے موٹر سائیکل چلا رہا تھا۔ ستراہ سے آٹھ میل ڈسکہ تھا۔ ڈسکے سے سولہ میل گوجرانوالہ اور گوجرانوالہ سے بیالیس میل آگے لاہور تھا۔ یہ کوئی زیادہ فاصلہ نہیں تھا رات کا وقت ہونے کی وجہ سے سڑک خالی پڑی تھی —— وُہ سوچ رہا تھا کہ لاہور پہنچتے ہی اپنے اخبار کے ایڈیٹر سے ملوں گا اور پھر تھانے میں رپورٹ کروں گا۔ کیوں کہ پولیس کی امداد لیے بغیر موتی باغ کا یہ معمّا حل نہیں ہوگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈسکہ پہنچ کر اُس نے موٹر سائیکل کا رُخ گوجرانوالہ جانے والی سڑک کی طرف موڑا تو اُسے محسوس ہُوا کہ اس کے پیچھے ایک اور گاڑی بھی ہے۔ اُس نے کچھ زیادہ خیال نہ کیا کیونکہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی —— سڑکوں پر تو تمام رات گاڑیوں کی آمدورفت جاری رہتی ہے۔

کچھ دیر بعد اُس نے مُڑ کر دیکھا —— ایک بھاری ٹرک اُس کے پیچھے آ رہا تھا۔ اُس نے سوچا کہ یہ ٹرک ڈرائیور اندھا دُھند ٹرک چلاتے ہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ ٹرک کو گزر جانے کا راستہ دے دیا جائے۔ اُس نے موٹر سائیکل کی رفتار آہستہ کر دی۔ ٹرک قریب آ گیا لیکن آگے نہیں نکلا۔ خالد نے بُڑبُڑاتے ہوئے سائیکل کی رفتار پھر تیز کر دی۔ اس کے ساتھ ہی ٹرک کی رفتار بھی تیز ہو گئی۔

گوجرانوالہ تک یہ دوڑ جاری رہی —— موٹر سائیکل آگے اور ٹرک پیچھے۔ گوجرانوالہ سے باہر نکل کر خالد نے پھر پیچھے کی طرف دیکھا۔ ٹرک

برابر پیچھے لگا ہُوا تھا —— اچانک خالد کو محسوس ہُوا کہ یہ ٹرک اس کا پیچھا کر رہا ہے اور عین ممکن ہے کہ رُستم علی کے آدمی اس میں سوار ہوں یہ سوچ کر اُس نے موٹر سائیکل کی رفتار اور تیز کر دی لیکن موٹر سائیکل اور ٹرک کا درمیانی فاصلہ اب بھی اسی طرح تھا۔

خالد کو اب یقین ہو چکا تھا کہ دُشمن کے آدمی اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ کوشش کے باوجود وہ ٹرک اور موٹر سائیکل کے درمیان فاصلے کو بڑھانے میں ناکام رہا —— سڑک بالکل سُنسان تھی —— دونوں طرف دُور دُور تک کسی آبادی کا نشان تک نہیں تھا —— اب خالد کو محسوس ہُوا کہ ٹرک اُس سے آگے نکلنا چاہتا ہے —— مگر وہ بائیں طرف ہُوا تو ٹرک بھی بائیں طرف ہو گیا —— اُس نے دائیں طرف کا رُخ کیا تو ٹرک بھی دائیں طرف آ گیا۔ اب خالد سمجھ گیا کہ ٹرک اس کا پیچھا نہیں کر رہا بلکہ اس کو کچلنا چاہتا ہے۔

خالد نے موٹر سائیکل کو ایک دم آہستہ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

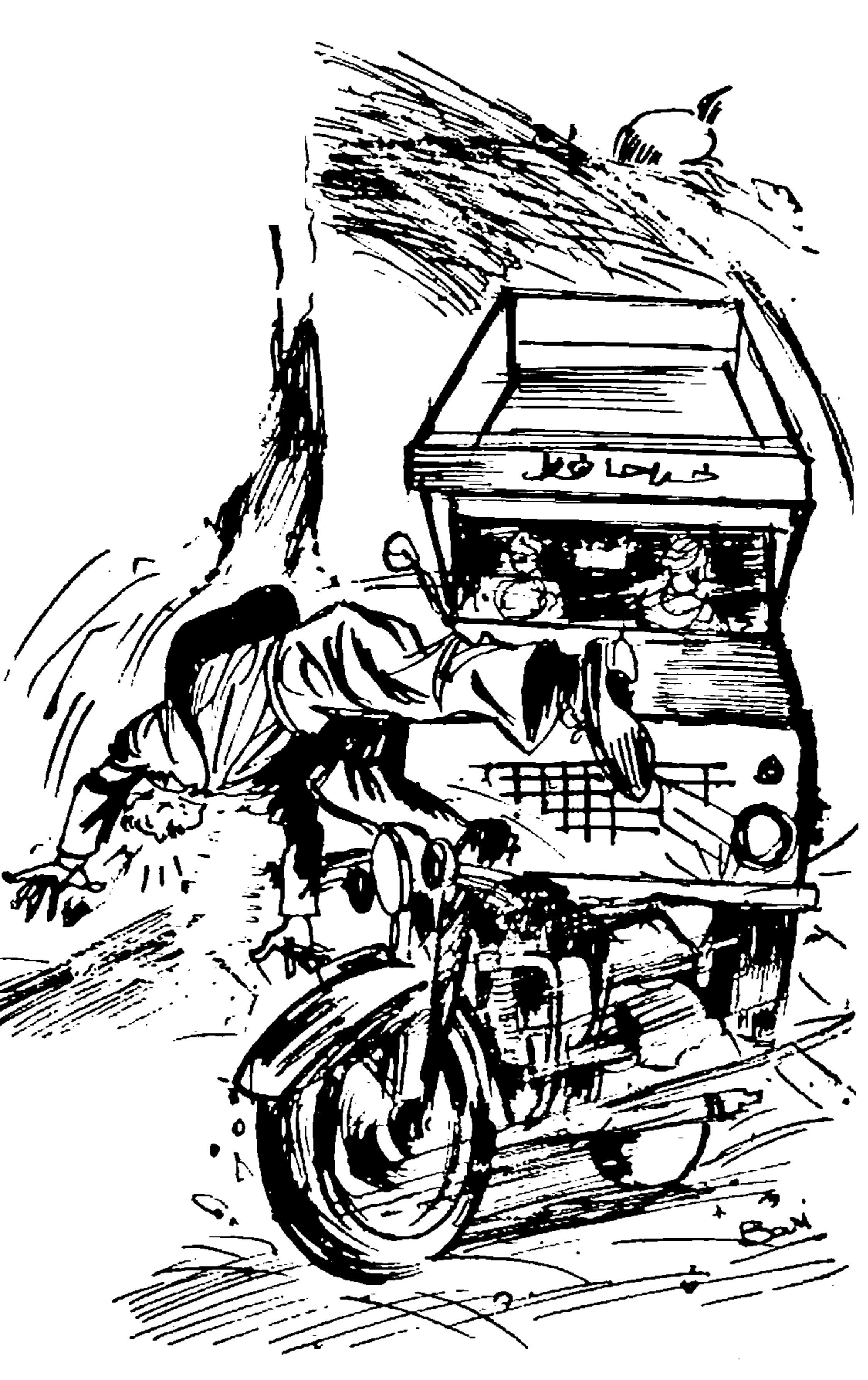

لیا اس کا خیال تھا کہ میں کُود کر سڑک کے نیچے چلا جاؤں گا لیکن ٹرک آناً فاناً اُس کے سر پر آ پہنچا اور اس نے اتنی زور سے دھکا مارا کہ موٹر سائیکل فٹ بال کی طرح ہوا میں اُچھلا اور قلا بازی کھاتا ہُوا سڑک کے ایک طرف جا گرا —— ٹرک کے ڈرائیور نے رُکنے کی کوشش نہیں کی —— وہ اپنا فرض پُورا کر چُکا تھا۔

خالد کو ہوش آیا تو اُس نے جلدی سے اِدھر اُدھر دیکھا —— صُبح ہو رہی تھی سامنے کچھ فاصلے پر اُس کی موٹر سائیکل چکنا چُور پڑی تھی۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی تو اُسے کمر میں سخت درد محسوس ہُوا۔

وہ کراہتا ہُوا اُٹھا۔ کمر میں درد کے علاوہ سر بھی گھُوم رہا تھا —— وہ پھر زمین پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد اُسے گوجرانوالہ کی طرف سے ایک ٹرک آتا دکھائی دیا۔ وہ کوشش کر کے اُٹھا اور ہاتھ کا اشارہ دے کر اُسے روکا۔ ٹرک ڈرائیور نے خالد اور اس کے قریب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُلٹے ہوئے موٹر سائیکل کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ حادثہ ہو گیا ہے۔ اُس نے اپنے ساتھی کی مدد سے موٹر سائیکل کو ٹرک کے پچھلے حصے میں رکھا اور خالد کو اپنے ساتھ بٹھا کر لاہور کی طرف چل دیا۔

لاہور پہنچتے پہنچتے خالد کی حالت کچھ سنبھل چکی تھی۔ اُس نے ٹرک ڈرائیور کا شکریہ ادا کیا۔ موٹر سائیکل کو مرمت کے لیے ایک ورکشاپ میں چھوڑا اور خود اپنے اخبار کے دفتر پہنچا —— ایڈیٹر نے اُس کی سرگزشت سُن کر پہلے تو اُس کی طرف ایسے دیکھا جیسے اُسے یقین نہ آیا ہو، لیکن جب اُس نے خالد کی حالت دیکھی تو وہ سمجھ گیا کہ معاملہ خطرناک قسم کا ہے۔

"ہمیں فوراً پولیس کو بتانا چاہیے۔" ایڈیٹر نے کہا۔

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" خالد نے کہا۔

ایڈیٹر نے فوراً ٹیلی فون کا ریسیور اُٹھایا اور ڈائل گھما کر فون کیا۔

کچھ دیر بعد خالد سپیشل پولیس کے ہیڈ کوارٹر میں بیٹھا۔ ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس کے سامنے اپنی سرگزشت بیان کر رہا تھا۔

ڈی آئی جی صاحب نے خالد کی باتوں کو غور سے سُنا اور پھر وہ شیشی لے کر امتحان کے لیے بھجوا دی جو خالد نے رُستم علی کے اٹیچی کیس سے نکالی تھی۔ پھر اُس نے خالد سے پوچھا:

"آپ نے یہ بھی معلوم کیا کہ ڈاکٹر نفیس کون صاحب ہیں؟"

"یہ تو میں معلوم نہیں کر سکا جناب۔" خالد نے کہا۔

"تعجب ہے کہ اخبار نویس ہونے کے باوجود آپ سے اتنی بڑی چوک ہوئی۔ اب یہ کیسے معلوم ہو کہ وہ کون ہیں اور کیا کرتے تھے؟"

"اس کا موقع ہی نہیں ملا جناب۔" خالد نے کہا "وہ تو اتنے کمزور اور بیمار تھے کہ اپنا نام بھی مشکل سے بتا سکے۔"

ڈی آئی جی صاحب کچھ سوچنے لگے۔ پھر بولے:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اگر آپ کی سرگزشت میں ڈاکٹر نفیس کا نام نہ آتا، تو میں اُسے افسانہ خیال کرتا۔ لیکن یہ اتفاق کی بات ہے کہ ہمارے ریکارڈ میں نہ صرف یہ نام موجود ہے بلکہ اس شخص کی تصویر بھی ہے ——— آپ اسے پہچان لیں گے؟"

"ضرور" خالد نے کہا۔

ڈی آئی جی صاحب نے گھنٹی بجا کر اردلی کو طلب کیا اور اُسے ایک فائل لانے کا حکم دیا ——— اردلی تھوڑی دیر بعد فائل لے آیا۔ ڈی آئی جی صاحب نے فائل کے ورق اُلٹے اور ایک جگہ سے کھول کر خالد کے سامنے رکھ دی۔

"دیکھیے تو وہ صاحب یہی ہیں؟" اُنھوں نے پوچھا۔

خالد نے دیکھا ——— ایک کاغذ کے دائیں کونے میں پاسپورٹ سائز کی ایک تصویر لگی تھی ——— وہ غور سے دیکھنے لگا ——— تصویر میں اس شخص کے سر اور داڑھی کے بال ضرور سفید تھے اور اس کا چہرہ بھی بڑھاپے کی گواہی دے رہا تھا لیکن یہ کسی بیمار کا چہرہ نہیں تھا

اور نہ اس کی آنکھوں میں خوف کی وہ جھلک تھی جو خالد نے موتی باغ میں دیکھی تھی ——— پھر بھی ناک نقشے سے وہ صاف پہچان گیا کہ یہ ڈاکٹر نفیس ہی کی تصویر ہے۔ اُس نے فائل ڈی آئی جی صاحب کو واپس کر دی اور بولا۔

"وہ صاحب موتی باغ میں قیدی بننے سے پہلے ایسے ہی ہوں گے۔"

"تو گویا آپ کا خیال ہے کہ رُستم علی کی قید میں جو ڈاکٹر نفیس ہیں، وہ یہی صاحب ہیں۔"

"جی ہاں" خالد نے جواب دیا۔

"تعجب ہے۔" ڈی آئی جی صاحب کہنے لگے "جہاں تک ہمیں علم ہے، ڈاکٹر نفیس ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔"

"یہ ڈاکٹر صاحب کیا کام کرتے ہیں؟" خالد نے پُوچھا۔

ڈی آئی جی صاحب بولے "یہ کسی زمانے میں نوٹ چھاپنے والے سرکاری پریس میں ملازم تھے۔ اب ریٹائر ہو چکے ہیں۔ یہ اپنے کام میں بڑے ماہر تھے۔ ریٹائر ہونے کے بعد جعلی نوٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنانے والے کئی بد معاشوں نے اُنھیں اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی ۔ ہمیں بھی ڈر تھا کہ کہیں کوئی شخص انہیں اپنے ساتھ ملا کر جعلی نوٹ بنانے کا کاروبار شروع نہ کر دے ۔ اس لیے ہمیں ان کی تمام سرگرمیوں کی کڑی نگرانی رکھنی پڑتی ہے ۔ ہمارے آدمی ان کے مکان کی باقاعدہ نگرانی کرتے ہیں اور جو شخص بھی ان سے ملنے کے لیے آتا ہے ۔ اس کے متعلق پوری چھان بین کرتے ہیں ۔ وہ تو یوں کہیے کہ ڈاکٹر نفیس خود ایک نیک آدمی ہیں اس لیے بدمعاشوں کے ہتھے نہیں چڑھے ۔ اب آپ کہتے ہیں کہ یہ پیرو کے موتی باغ میں قید ہیں ۔ آپ کی بات میں کہاں تک سچائی ہے ، اس کا پتا کل چل سکے گا۔"

"آج کیوں نہیں؟" خالد نے پوچھا۔

"اس لیے کہ ہماری اطلاع کے مطابق ڈاکٹر نفیس کل پاکستان واپس آ رہے ہیں ۔ ان کا ہوائی جہاز کل ٹھیک چار بجے شام ہوائی اڈے پر اُترے گا آپ کل تین بجے یہاں آ جائیں ۔ ڈاکٹر نفیس کے لڑکے جواد حسین بھی یہاں موجود ہوں گے ۔ ہم تینوں

ڈاکٹر نفیس کو لینے کے لیے ہوائی اڈے چلیں گے۔"

"بہت بہتر جناب" خالد نے کہا۔

"اس کے علاوہ ایک اور صاحب بھی ہمارے محافظ ہوں گے۔" ڈی آئی جی صاحب بولے " جواد حسین صاحب سے تو آپ کی ملاقات خیر کل ہی ہو سکے گی لیکن ان صاحب سے میں آپ کو ابھی ملائے دیتا ہوں ۔"

یہ کہہ کر ڈی آئی جی صاحب نے پھر گھنٹی بجائی اور چپراسی آیا تو اُس سے کہا ۔

"انسپکٹر اکمل کو بلاؤ ۔"

چند لمحے بعد ایک تندرست اور چاق و چوبند نوجوان نے اندر آ کر سلوٹ کی ۔ یہ انسپکٹر اکمل تھا ۔

"ڈاکٹر نفیس کی نگرانی کا کام ان کے سپرد ہے ۔" ڈی آئی جی صاحب بولے "اس لیے کل ہم انھیں بھی ساتھ لے چلیں گے ۔ تا کہ معاملہ کچھ گڑبڑ نظر آئے تو یہ فوراً کارروائی کر سکیں ۔

دوسرے دن خالد، ڈی آئی جی ، انسپکٹر اکمل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور جواد حسین کے ساتھ ہوائی اڈے پہنچا۔ جہاز کے آنے میں کچھ دیر تھی خالد سوچ رہا تھا کہ ڈی آئی جی اور انسپکٹر اکمل نے میری باتوں کا ابھی تک یقین نہیں کیا کیونکہ ان کے خیال میں تو ڈاکٹر نفیس ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں اور تھوڑی دیر میں ہوائی جہاز سے واپس آ رہے ہیں۔ اگر ڈاکٹر نفیس سچ مچ آ گئے تو کیا ہوگا؟ یہ خیال کر کے اُسے پھریری آ گئی۔

تھوڑی دیر بعد لاؤڈ سپیکر سے جہاز کی آمد کا اعلان ہوا اور پھر جہاز رن وے پر دوڑتا ہوا جنگلے کے سامنے آ کر رُک گیا۔ سیڑھی لگائی گئی۔ جہاز کا دروازہ کھلا اور ایک ایک کر کے مسافر باہر آنے لگے۔ ڈی آئی جی، انسپکٹر اکمل، جواد حسین اور خالد کی نظریں مسافروں پر جمی تھیں ـــــ ایک ایک کر کے تمام، مسافر نیچے اُتر آئے ـــــ اب طیارے کے اندر کوئی مسافر نہیں تھا۔ خالد نے ڈی آئی جی جواد حسین اور انسپکٹر اکمل کی طرف دیکھا۔ اُن کے چہروں پر حیرت اور پریشانی کے آثار تھے۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں خالد صاحب!" ڈی آئی جی صاحب بولے "اب ہمارے پاس شک کی کوئی وجہ نہیں ـــــ ڈاکٹر نفیس رُستم علی کی قید میں ہیں۔"

"اب ہمیں کیا کرنا ہے؟" انسپکٹر اکمل نے پوچھا۔

"پسرور پہنچنا ہے۔" ڈی آئی جی صاحب نے کہا "خالد صاحب آپ جواد حسین صاحب کو ساتھ لے کر فوراً وہاں پہنچیں اور اکمل صاحب آپ جتنی جلدی ممکن ہو سکے، سپاہیوں کا ایک دستہ لے کر خالد صاحب سے جا ملیں ـــــ ہمیں نہ صرف ڈاکٹر نفیس صاحب کو رُستم علی کے شکنجے سے رہائی دلانا ہے بلکہ موتی باغ کی اچھی طرح تلاشی بھی لینا ہے تاکہ رُستم علی کی سرگرمیوں کا پتا چل سکے۔"

"بہت بہتر جناب" انسپکٹر اکمل نے کھٹ سے سلوٹ کی۔

"خالد صاحب" جواد حسین نے کہا "میری کار حاضر ہے۔ اگر آپ کو کوئی کام نہ ہو تو آئیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے ساتھ گھر چلیں۔ کچھ ضروری چیزیں لے کر ہم پسرور روانہ ہو جائیں گے۔"

"مجھے کوئی کام نہیں ہے۔" خالد نے کہا۔

"تو آئیے۔" جوّاد حسین بولا۔

خالد جوّاد حسین کے ساتھ اُن کے گھر گیا وہاں اُنھوں نے چائے پی، کچھ ضروری سامان کار میں رکھا اور پھر وُہ پسرور کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس وقت شام ہو رہی تھی۔

آگ! آگ!

خالد کے جانے کے بعد جاوید اور اسلم اطمینان سے سو گئے۔ لیکن صُبح اُٹھتے ہی اُنھوں نے اُس کا انتظار شروع کر دیا —— اور جب دوپہر تک وُہ نہ آیا تو وُہ پریشان ہونے لگے۔ طارق نے انھیں تسلّی دینے کی کوشش کی۔ لیکن انھیں اطمینان نہیں ہُوا۔ خالد کے بغیر وُہ عجیب سی بے چینی محسوس کر رہے تھے۔

دوپہر سے شام ہو گئی لیکن خالد نہ آیا۔

اب تو جاوید اور اسلم اور زیادہ بے چین ہو گئے۔ اُن کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔ طارق نے اُنھیں پھر تسلّی دینے کی کوشش کی یونہی گھبرانا ٹھیک نہیں ہے۔ خالد لاہور گیا ہے تو اپنا کام نپٹا کر ہی آئے گا۔ تمھیں اطمینان رکھنا چاہیے۔ لیکن ان کے دل کی بے چینی دُور نہیں ہوئی۔

وُہ رات اُنھوں نے سوتے جاگتے گزاری نیند میں عجیب عجیب اور ڈراؤنے خواب دکھائی دیے ـــــ صبح اُٹھے تو ان کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ طارق اُنھیں کھیتوں میں لے گیا کہ شاید وہاں اُن کا دل بہل جائے۔

اور جب شام تک بھی خالد واپس نہ آیا تو طارق بھی فکرمند ہو گیا۔ لیکن اُس نے اپنی پریشانی جاوید اور اسلم پر ظاہر نہیں ہونے دی۔ وُہ جانتا تھا کہ اُسے پریشان دیکھ کر وُہ اور بھی پریشان ہو جائیں گے۔

طارق نے جاوید اور اسلم کے سونے کا انتظام مکان کے بجائے ڈیرے میں کیا تھا۔ ڈیرے کی

چھت پر ایک بڑا سا کمرہ بنا ہُوا تھا، اس نے اپنے اور اُن دونوں کے بستر وہیں لگوا دیے تھے رات گئے تک وُہ تینوں خالد کا انتظار کرتے رہے۔ طارق دن بھر کھیتوں میں کام کرتا رہا تھا اس لیے بہت تھکا ہُوا تھا۔ پھر بھی وُہ جاوید اور اسلم کے سو جانے کا انتظار کرتا رہا۔ جب وُہ دونوں سو گئے تو وُہ اُٹھا، نیچے اُتر کر احاطے کا دروازہ بند کیا، کمروں کی کھڑکیاں اور دروازے اچھی طرح بند کیے اور پھر اُوپر آ گیا۔ چھت پر چڑھنے کے لیے بانس کی جو سیڑھی دیوار کے ساتھ لگی تھی، وُہ اُس نے اُوپر کھینچ لی تاکہ رات کے وقت کوئی شخص چھت پر نہ آ سکے۔ اس کے بعد وُہ بستر پر لیٹ گیا تھکا ہُوا تو تھا ہی لیٹتے ہی نیند نے آ گئی۔

اس رات آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور ہوا بھی چل رہی تھی۔ یُوں محسوس ہوتا تھا کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے بارش ضرور ہو گی ـــــ کبھی کبھی دُور کہیں ایسے دھماکے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آواز آتی جیسے کسی کھلے دروازے کے پٹ ہوا کے زور سے بند ہو گئے ہوں۔

شاید کسی ایسے ہی دھماکے نے جاوید کو جگا دیا تھا وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور سُننے کی کوشش کرنے لگا ——— لیکن ہر طرف خاموشی تھی۔

وُہ دوبارہ لیٹنے ہی لگا تھا کہ پھر ایک آواز سُنائی دی۔ یُوں معلُوم ہُوا جیسے زمین پر کوئی بھاری چیز گھسیٹی جا رہی ہے۔ یہ آواز ڈربے کے احاطے میں سے آ رہی تھی ——— وُہ دبے پاؤں بستر سے نکلا اور کھڑکی میں سے باہر دیکھنے لگا۔

کھڑکی میں سے پُورا احاطہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس لیے جاوید نے باہر نکل کر دیکھنے کا ارادہ کیا۔ اسلم اور طارق گہری نیند میں تھے۔ جاوید دروازے کی طرف بڑھا اور دروازہ کھولنے ہی لگا تھا کہ باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وُہ سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر ایسی آواز آئی جیسے کِسی نے کوئی بھاری چیز گھسیٹ کر دروازے کے سامنے رکھ دی ہو۔ وُہ پھر

کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہُوا۔

اُس نے کچُھ دیر انتظار کیا اور پھر باہر احاطے میں دیکھنے کی کوشش کی۔ احاطے میں کمروں کی دیوار کے ساتھ کسی چیز کا ڈھیر سا پڑا ہُوا تھا۔ یُوں لگتا تھا جیسے گھاس پھونس یا پیال کے گٹھے رکھ دیئے گئے ہوں ——— شاید اُس نے انھی گٹھوں کے زمین پر گھسیٹے جانے کی آواز سُنی تھی۔ وُہ سوچنے لگا کہ اس کام کے لیے یہ کونسا وقت ہے؟ یہ کام تو کِسان دن میں کیا کرتے ہیں۔

وُہ اسلم اور طارق کو بیدار کرنا ہی چاہتا تھا کہ اُس کے نتھنوں میں ایک عجیب سی بُو آئی۔ یہ بُو مٹی کے تیل کی تھی ——— وُہ حیران ہو کر سوچنے لگا کہ مٹی کے تیل کا یہاں کیا کام

اُس نے ایک دم اسلم کو جھنجوڑ کر جگا دیا۔

طارق گہری نیند سو رہا تھا۔ اس لیے دو تین بار جھنجوڑنے کے بعد اُس کی آنکھ کھلی۔ وُہ آنکھیں مَلتا ہُوا اُٹھا اور گھبرا کر بولا۔ "کیا بات ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"باہر کوئی ہے۔" جاوید نے کہا۔

"خالی آ گیا ہو گا۔" طارق بولا۔

"نہیں" جاوید نے کہا "کچھ اور ہی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے —— دیوار کے ساتھ پیال کے گٹھے پڑے ہیں اور مٹی کے تیل کی بُو۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

الفاظ جاوید کے مُنہ ہی میں تھے کہ چاروں طرف آگ کا الاؤ روشن ہو گیا —— بجلی کی سی تیزی سے طارق اپنے بستر سے نکلا اور کھڑکی میں جھانک کر دیکھا —— احاطے میں ہر طرف آگ ہی آگ نظر آ رہی تھی —— کھڑکی سے ہٹ کر وُہ دروازے کی طرف آیا اور دروازہ کھولا تو آگ کے شُعلے ہَوا کے زور سے اندر کی طرف آنے لگے۔ اُس نے فوڑا دروازہ بند کر دیا۔

طارق سمجھ گیا کہ یہ آگ لگی نہیں، لگائی گئی ہے۔ دُشمن نے ان تینوں کو زندہ جلا دینے کا منصوبہ بنایا ہے۔

ڈیرہ کو بچانے کی اب کوئی صورت نہیں تھی ڈیرے کو بچانے سے کہیں زیادہ اب اپنے آپ

کو اور دونوں لڑکوں کو بچانا ضروری تھا۔ طارق نے سوچا اور پھر کونے میں پڑی ہوئی بڑی سی لاٹھی اُٹھا کر کہنے لگا۔

"تم دونوں دُور رہنا۔ میں دروازے کے آگے سے آگ ہٹانے کی کوشش کرتا ہُوں۔"

اُس نے دروازہ کھولا تو آگ کے شُعلے اندر کی طرف آنے لگے اُس نے ایک کواڑ کی آڑ لے کر لاٹھی سے باہر جلتے ہوئے گھاس پھونس کو پرے دھکیلنا شروع کیا۔ ادھر آگ کا زور کم ہُوا تو اُس نے دوسری طرف کھڑے ہو کر جلتی ہوئی گھاس دروازے کے سامنے سے ہٹا دی۔ اِس کے بعد وُہ جاوید اور اسلم کو لے کر چھت پر آ گیا۔

باہر آ کر اُس نے سیڑھی کو تلاش کیا لیکن سیڑھی غائب تھی۔ شاید دشمن اسے بھی آگ میں ڈال گیا تھا۔ نیچے احاطے میں اور کمروں کی دیواروں کے ساتھ ساتھ آگ کے شُعلے بلند ہو رہے تھے —— طارق نے جلدی سے چھت کا چکّر لگا کر نیچے کی طرف دیکھا —— پھر کچھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوچ کر دوبارہ کمرے کے اندر گھس گیا۔

اُس نے جلدی جلدی دو چار پائیوں کی ادوائنیں نکالیں اور اُنھیں کھڑکی کے کنڈے میں باندھ دیا۔ پھر وُہ جاوید اور اسلم سے بولا:

"دیکھو۔ اس طرف آگ کا زور کم ہے ـــ تُم باری باری اس رسّی کے ذریعے نیچے کُود جاؤ ـــ تمھارے بعد میں بھی نیچے اُتروں گا۔

پہلے جاوید نے نیچے اُترنا شروع کیا۔ اُسے آگ کی حرارت محسوس ہو رہی تھی ـــ لیکن اُس نے حوصلے سے کام لیا ـــ تیزی سے نیچے کی طرف لپکا اور پھر جب آگ کے شعلے بالکل ہی قریب آ گئے تو اُس لے رسّی چھوڑ کر آگ سے پرے کی طرف چھلانگ لگا دی اور اس کے ساتھ ہی چلّا کر کہا:

"جلدی کرو اسلم نہیں تو رسّی کو آگ لگ جائے گی۔"

اسلم بھی جلدی جلدی رسّے کے ذریعے نیچے اُترا اور رسّی چھوڑ کر ایک طرف کُود گیا ـــ اب طارق کی باری تھی۔ وُہ رسّی پکڑ کر نیچے

اُترنے لگا ـــ اتنی دیر میں ایک رسّی کو آگ لگ چکی تھی ـــ طارق نے اُسے چھوڑ دیا اور ایک ہی رسی کے ذریعے نیچے اُترنے کی کوشش کی۔ لیکن رسّی اُس کا بوجھ نہیں سہار سکی اور ٹوٹ گئی۔ وُہ لڑھکتا ہُوا جلتی ہوئی گھاس کے ڈھیر پر جا گرا۔

جاوید اور اسلم فوراً اُس کی طرف لپکے اور اُسے اُٹھانے کی کوشش کی لیکن وُہ ان دونوں کے لیے بُہت بھاری تھا۔ گرتے ہی وُہ شاید بے ہوش ہو گیا تھا۔ وُہ دونوں اُسے گھسیٹتے ہوئے آگ سے پرے لے گئے اور ایک دیوار کے پاس لٹا دیا جو ابھی آگ کی زد سے محفوظ تھی۔

وُہ آگ سے بچ گئے تھے لیکن طارق کو بے ہوش دیکھ کر اُن کا دل بیٹھا جا رہا تھا ہو سکتا ہے کہ دُشمن یہیں کہیں چھُپا بیٹھا ہو اُس نے ضرور ہمیں نیچے اُترتے دیکھ لیا ہوگا بہتر یہی ہے کہ ہم کسی اندھیری جگہ چھُپ کر بیٹھ جائیں۔ یہ سوچ کر وُہ طارق کو گھسیٹتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے ایک تاریک سے گوشے میں لے گئے
اور خود بھی چھپ کر بیٹھ رہے۔

ابھی چند منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ انہیں
بھاری قدموں کی آواز سنائی دی —— وہ کچھ
اور سمٹ کر بیٹھ گئے۔ قدموں کی آواز قریب
آتی جا رہی تھی۔

اب تک وہ اندھیرے میں ہونے کی وجہ
سے اس شخص کی نظروں سے محفوظ تھی۔آگ
کے شعلے بھی آہستہ آہستہ مدھم ہو رہے تھے
لیکن اچانک ایک کمرے کی چھت جل کر گری
اور اس کے ساتھ ہی آگ کا الاؤ ایک مرتبہ
پھر روشن ہو گیا —— اس روشنی میں ان کے
چھپے رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا——
وہ سوچ رہے تھے کہ بس کوئی دم میں وہ شخص
ہمیں دیکھ لے گا اور ہم ایک بار پھر رستم علی
کے قیدی بن جائیں گے۔

لیکن عین اسی وقت ان کے کانوں میں ایک
جانی پہچانی آواز آئی۔ یہ خالد تھا۔ وہ ان
تینوں کو زور زور سے پکار رہا تھا۔" جاوید

اسلم۔ طارق۔

" خالد صاحب! خالد صاحب!" جاوید اور اسلم
دونوں ایک ساتھ چلاّئے۔

" ہم یہاں ہیں خالد صاحب ہم یہاں ہیں"
اور پھر وہ بے تحاشا اس کی طرف دوڑے۔
خالد کے ساتھ ایک اور نوجوان بھی تھا۔خالد
نے انھیں دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا اور بولا
خدا کا شکر ہے کہ تم محفوظ ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر پھنس گئے

طارق کو گرنے کی وجہ سے کئی چوٹیں آئی تھیں اور آگ نے اس کے جسم کو کئی جگہ سے جھلس دیا تھا۔ جوّاد حسین صاحب کے بیگ میں ابتدائی طبّی امداد کا سامان تھا —— اُنھوں نے فوراً طارق کی مرہم پٹّی کر دی۔

آگ دیکھ کر گاؤں کے لوگ وہاں پہنچ چکے تھے اور آگ بجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ خالد، طارق اور دونوں لڑکوں کو جوّاد حسین کی کار میں بٹھا کر طارق کے گھر لے گیا۔ طارق کے دادا اور گھر کے دوسرے لوگ اس حادثے سے سخت پریشان تھے۔ لیکن خالد نے اُنھیں تسلّی دی کہ گھبرانے کی بات نہیں —— طارق کے معمولی چوٹیں آئی ہیں۔ وُہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔

طارق کو اُس کے دادا اندر زنان خانے میں لے گئے تھے۔ اور باقی لوگوں کے بیٹھک میں بستر کر دیئے گئے تھے۔ جاوید اور اسلم تو لیٹتے ہی سو گئے لیکن خالد اور جوّاد حسین ایک کونے میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

جوّاد حسین کو آگ سے زیادہ اپنے والد کی فکر تھی۔ اُس نے کہا:

"ابّا جان اُس بدمعاش کی قید میں ہیں —— جو شخص طارق اور ان لڑکوں کو زندہ جلانے کی کوشش کر سکتا ہے، وُہ میرے والد کے ساتھ کیا کچھ نہیں کرے گا —— میں تو یہ سوچ کر ہی کانپ جاتا ہوں۔ ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

خالد نے کہا "لیکن بغیر سوچے سمجھے موتی باغ پر دھاوا بولنا بے وقوفی ہو گی۔ ہم صرف دو ہیں۔ رُستم علی کے آدمیوں کے مقابلے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمیں انسپکٹر اکمل کا انتظار کرنا چاہیئے۔"

"اور اتنی دیر میں اگر ابّا جان کو کچھ ہو گیا تو!"

"آپ کو خدا پر بھروسا رکھنا چاہئیے۔" خالد نے کہا "ڈی آئی جی صاحب نے مجھے یقین دلایا تھا کہ انسپکٹر اکمل کل شام تک پہنچ جائینگے پھر ایک بات اور بھی ہے۔ جوش میں آ کر کوئی قدم اُٹھانا فائدے کی بجائے نقصان کا سبب بن سکتا ہے۔ ابھی تو رُستم علی شاید اس خوش فہمی میں مُبتلا ہے کہ اُس نے خالد اور اُس کے دوستوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ سپاہیوں کے آنے تک اُس کی یہ خوش فہمی اسی طرح قائم رہے۔ ہم نے جلد بازی میں کوئی قدم اُٹھایا تو رُستم علی کی گرفتاری ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو جائے گی۔"

یہ باتیں بڑی معقول تھیں لیکن جوّاد حسین کو اپنے باپ کا خیال بے چین کیے دے رہا تھا —— اُس کا اصرار تھا کہ ہمیں فوراً کارروائی

کرنی چاہیئے۔ اُس نے کہا:

"آپ اگر میرا ساتھ نہیں دینا چاہتے تو نہ سہی میں خود وہاں جاتا ہوں۔ جو ہو گا دیکھا جائیگا۔"

خالد نے ایک دفعہ پھر جوّاد حسین کو سمجھایا اور جب دیکھا کہ اس پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا تو وُہ بھی جوّاد حسین کے ساتھ موتی باغ جانے کے لیے تیار ہو گیا —— سارے گاؤں پر خاموشی طاری تھی۔ صرف اِکّا دُکّا مُرغ بانگ دے دیتا۔ خالد اور جوّاد حسین چُپکے سے باہر نکلے اور کار میں بیٹھ کر پیرور کی طرف چل دیئے۔

جب وُہ پکّی سڑک سے کچّی سڑک کی طرف مڑے تو صُبح کا اُجالا پھیل رہا تھا۔ اُنھوں نے کار موتی باغ کے دروازے سے دُور اُونچی اُونچی جھاڑیوں کے پیچھے کھڑی کر دی اور خود پیدل موتی باغ کے پھاٹک کی طرف چلے۔

پھاٹک پر پہنچ کر وُہ کچھ دیر رُکے اور پھر دیوار پھاند کر اندر داخل ہو گئے۔ اب تک انہوں نے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں کی تھی لیکن عمارت کے قریب پہنچ کر اُن کے قدم خود بخود رُک گئے —— صُبح کے اُجالے میں موتی باغ کی عمارت کچھ زیادہ ہی پُراسرار نظر آ رہی تھی ——

خالد عمارت کی طرف بڑھا اور جوّاد کو لے کر اندر داخل ہو گیا۔ خالد آگے آگے تھا اور جوّاد پیچھے پیچھے —— ہال سے گزر کر وُہ زینے کے ذریعے اُوپر کی منزل پر پہنچے اور پھر اُس کمرے کی طرف گئے جہاں خالد اور طارق نے ڈاکٹر نفیس کو دیکھا تھا۔ خالد نے اُنگلی کے اشارے سے جوّاد حسین کو بتایا کہ یہی وُہ کمرہ ہے۔ پھر وُہ دبے پاؤں آگے بڑھا اور دروازے کو ذرا سا دھکا دیا —— دروازہ فوراً کھُل گیا اور وُہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ کمرے کے اندر کوئی نہیں تھا۔

خالد نے حیرانی سے جوّاد حسین کی طرف دیکھا اور جوّاد حسین نے خالد کی طرف —— بستر ابھی تک وہیں تھا اور یُوں معلوم ہوتا تھا جیسے تھوڑی دیر پہلے کوئی شخص اس پر لیٹا تھا۔

خالد نے سوچا ہمیں یہاں پہنچنے میں دیر ہو گئی —— شاید رُستم علی اور اس کے آدمی کہیں چلے گئے ہیں اور ڈاکٹر نفیس کو بھی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ پھر جیسے اُسے کچھ یاد آ گیا۔ وُہ دروازے کی طرف بڑھا اور بولا " آؤ نیچے دیکھیں "۔

وُہ اُسی زینے کے ذریعے نیچے اُترے اور اِدھر اُدھر دیکھتے بھالتے لائبریری میں جا پہنچے۔

لیکن لائبریری میں داخل ہوتے ہی خالد کے قدم رُک گئے۔ جوّاد حسین بھی ٹھہر گیا خالد نے اُنگلی سے ایک طرف اشارہ کیا۔ جوّاد حسین نے دیکھا —— دیوار پر بنے ہوئے لکڑی کے خانے ہٹے ہوئے تھے اور اُن کے پیچھے چھپا ہُوا پُراسرار دروازہ کھُلا تھا —— صرف یہی نہیں، کمرے کے اندر روشنی بھی تھی۔

کچھ دیر خالد اور جوّاد کھڑے سوچتے رہے۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں مشورہ کر کے پنجوں کے بل چلتے ہوئے آگے بڑھے —— دروازے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں پہنچ کر وہ رکے اور اندر جھانک کر دیکھا۔ میز پر ایک لیمپ جل رہا تھا اور میز کے قریب کرسی پر ایک شخص بیٹھا شاید کوئی دوا تیار کر رہا تھا ـــــ اُس کے سامنے میز پر اوزاروں کے علاوہ وہ ڈبے اور شیشیاں بھی پڑی تھیں جنہیں خالد نے اُس روز رستم علی کے اٹیچی کیس میں دیکھا تھا ـــــ اس شخص کی پیٹھ دروازے کی طرف تھی ـــــ کمرے میں اس کے سوا اور کوئی شخص نہیں تھا۔

"ابّا جان" جوّاد حسین کے مُنہ سے نکلا اور وہ خالد کو ایک طرف ہٹا کر اس شخص کی طرف بڑھا۔

اُس شخص نے جوّاد کی آواز سُن کر حیرانی اور خوف سے دروازے کی طرف دیکھا ـــــ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"جوّاد میرے بیٹے" اُس نے کہا اور پھر اُٹھ کر اُس سے لپٹ گیا ـــــ دونوں باپ بیٹے ڈاکٹر نفیس اور جوّاد حسین ـــــ ایسے گلے مل رہے تھے جیسے مُدّتوں بعد ملے ہوں۔

"آپ یہ کیا بنا رہے ہیں ابّا جان" جوّاد حسین نے پُوچھا۔

"نوٹ چھاپنے کی روشنائی" ڈاکٹر نفیس نے کہا "یہ لوگ مجھے اس لیے یہاں لائے تھے کہ نوٹ چھاپنے کی روشنائی تیار کرا سکیں ـــــ میں نے یہ کام کرنے سے انکار کیا تو انھوں نے مجھے مار مار کر ادھ مُوا کر دیا۔ آخر مجبور ہو کر میں راضی ہو گیا۔ لیکن یہ اصلی روشنائی نہیں ہے۔ اس میں کچھ نقص ہے اور ـــــ"

"شک تو ہمیں پہلے ہی تھا" ایک آواز آئی "کہ تم ہمارے ساتھ دھوکا کر رہے ہو۔ اب تمھاری باتیں سُن کر یقین آ گیا ہے"

خالد اور جوّاد نے چونک کر پیچھے دیکھا رستم علی اور اس کے دو آدمی کھڑے تھے ـــــ تینوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔

"پکڑ لو اِن کو" رستم علی نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھاوا

جاوید اور اسلم بیدار ہوئے تو دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ رات کے حادثے نے اُنھیں کافی تھکا دیا تھا اور اتنی دیر سو لینے کے باوجود اُن کی تھکان پُوری طرح دُور نہیں ہوئی تھی ــــ البتہ نہا دھو کر اُن کی طبیعت ذرا بحال ہو گئی۔ گیارہ بجے ناشتے کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا، اُنھوں نے ناشتے کے بجائے دوپہر کا کھانا کھایا اور خُوب سیر ہو کر کھایا۔

طارق ابھی تک بستر میں تھا اس کے دادا کی زبانی

معلوم ہُوا کہ ایک ڈاکٹر کو بلوایا گیا تھا ــــ وُہ دوا دے گیا ہے اور آرام کی تاکید کر گیا ہے ــــ اس لیے طارق نہ چاہتے ہوئے بھی بستر میں لیٹا ہُوا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر جاوید اور اسلم کو خالد اور جوّاد حسین کا خیال آیا۔ طارق کے دادا سے پُوچھا تو معلوم ہُوا کہ اُنھیں بھی کُچھ پتا نہیں۔ پہلے تو اُنھوں نے خیال کیا کہ وُہ شاید یہیں کہیں ہوں گے۔ لیکن جب جوّاد حسین کی کار کو غائب پایا تو وُہ سمجھ گئے کہ وُہ دونوں کہیں چلے گئے ہیں۔

اُن کا خیال تھا کہ وُہ تیسرے پہر تک لوٹ آئیں گے لیکن جب دن تھوڑا سا رہ گیا تو اُن کا شک یقین میں بدلنے لگا۔ اسلم نے کہا:

"مُجھے پہلے ہی شک تھا کہ وُہ دونوں موتی باغ گئے ہیں ــــ شاید کوئی بہت ہی ضروری معاملہ پیش آ گیا ہو گا۔ جبھی تو وُہ یُوں چُپ چاپ، کِسی کو بتائے بغیر چلے گئے۔ لیکن اُنھیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

واپس آنے میں اتنی دیر تو نہیں کرنی چاہیے تھی؟"

جاوید نے تھوڑی دیر کچھ سوچا۔ پھر کہنے لگا: "اگر وُہ کل رات موتی باغ گئے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وُہ کسی مصیبت میں پھنس گئے ہیں —— ہمیں موتی باغ جا کر اُن کا پتا کرنا چاہیے۔ میں تو اس بات پر حیران ہُوں کہ خالد صاحب لاہور گئے اور کسی کو مدد کے لیے ساتھ لے کر نہیں آئے —— کیا اُنھیں معلوم نہیں تھا کہ رُستم علی اور اُس کے آدمیوں سے نمٹنے کے لیے اچھی خاصی پلٹن کی ضرورت ہے؟"

"پلٹن یہاں کہاں" اسلم نے کہا "اب تو ہم دونوں ہی ہیں۔ طارق صاحب بیمار ہیں۔ اگر ہم پولیس کے پاس جائیں تو وُہ ہمارا یقین نہیں کریں گے۔"

وُہ دونوں پسرور جانے کے لیے تیار ہو گئے طارق کے دادا کو تو اُنھوں نے بتایا ہی نہیں لیکن طارق کو بتانا ضروری خیال کیا۔ اس کے

بعد اُنھوں نے سائیکلیں نکالیں اور پسرور کی طرف روانہ ہو گئے۔

پسرور پہنچ کر پہلے وُہ گرینڈ ہوٹل گئے کیونکہ اُن کا خیال تھا کہ شاید خالد اور جوّاد حسین ہوٹل میں ہوں۔ لیکن ہوٹل کے مالک نے اُنھیں بتایا کہ وُہ تو ہوٹل میں آئے ہی نہیں یہ سُن کر وُہ موتی باغ کی طرف چل دیے۔

موتی باغ کو جانے والی سڑک کے قریب جھاڑیوں میں، اُنھوں نے جوّاد حسین کی کار کھڑی دیکھی تو اُنھیں یقین ہو گیا کہ خالد اور جوّاد حسین باغ کے اندر ہیں اور ابھی تک واپس نہیں آئے یا نہیں آ سکے —— اب اس کے سوا اور کوئی صُورت نہیں تھی کہ وُہ موتی باغ کے اندر داخل ہوں۔

شام ہو چکی تھی اور آسمان پر چاند نکلا ہُوا تھا لیکن آگے پیچھے تیرتے ہوئے بادلوں کی وجہ سے اس کی روشنی بڑی مدھم تھی —— جاوید اور اسلم نے اپنی سائیکلیں کار کے قریب ہی جھاڑیوں میں چھپا دیں اور محراب نُما موری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے راستے موتی باغ کے اندر جا پہنچے۔

اب وُہ جھاڑیوں میں سے ہوتے ہوئے عمارت کی طرف بڑھے۔ لیکن پھر ایکا ایکی رُک گئے اور اندھیرے میں چھپی ہوئی عمارت کی طرف دیکھنے لگے۔ جیسے یہ فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہے ہوں کہ آگے جانا چاہیے یا نہیں؟

اچانک جاوید نے کوئی چیز دیکھی اور خوف سے کانپ گیا۔ اُس نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے تالاب کی طرف اشارہ کیا ــــ جھاڑیوں سے پرے، تالاب کے قریب، ایک عجیب سا شخص دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی کمر جُھکی ہوئی تھی اور اُس نے اپنی پیٹھ پر ایک تھیلا اُٹھا رکھا تھا ــــ اس شخص نے تالاب کے گرد ایک چکّر لگایا اور پھر عمارت کے سائے میں غائب ہو گیا ــــ اس کے بعد پھر ظاہر ہُوا اور تالاب کی طرف چلنے لگا ــــ وُہ تالاب کے نزدیک آیا ہی تھا کہ اچانک نظروں سے اوجھل ہو گیا ــــ جیسے پانی میں غائب ہو گیا ہو۔

دونوں لڑکوں کا یہ حال تھا کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں ــــ خوف کے مارے اُن کی زبان گنگ ہو چکی تھی اور ایک انچ ہلنے کی ہمت بھی اُن میں نہیں رہی تھی۔

"یہ تو وہی پھیری والا ہے" اسلم نے آہستہ سے کہا۔

"میں نہیں مانتا" جاوید بولا "یہ سب بکواس ہے"

دونوں خاموشی سے اُس مقام کی طرف دیکھ رہے تھے جہاں وُہ شخص غائب ہُوا تھا۔ پھر اسلم نے آہستہ سے کہا:

"اب کیا ارادہ ہے؟ ہم ساری رات تو یہاں نہیں سکتے آؤ . . ."

ابھی بات اُس کے مُنہ میں ہی تھی کہ جاوید نے ایک دم اُس کا بازو پکڑ لیا۔ وُہی پُراسرار شخص ایک بار پھر پانی میں سے نکل رہا تھا۔ آہستہ آہستہ تالاب کے اُس کنارے کی طرف آیا جو عمارت کی طرف تھا۔ پھر چکّر کاٹ کر عمارت کے سائے میں گُم ہو گیا۔ لیکن فوراً

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی پھر ظاہر ہوا اور اس طرف دیکھنے لگا جہاں جاوید اور اسلم چھپے ہوئے تھے اور پھر اس کے قدم اُن کی طرف اُٹھنے لگے۔

وہ دونوں جلدی سے قریب کی ایک جھاڑی میں چھپ گئے۔ اس کے قدموں کی آواز اب انھیں صاف سُنائی دے رہی تھی —— جیسے کوئی اپنے پاؤں کو گھسیٹتے ہوئے چل رہا ہو۔ وہ ان سے صرف ایک گز کے فاصلے پر آکر رُکا اور اِدھر اُدھر دیکھ کر آگے بڑھ گیا دونوں نے فوراً اُسے پہچان لیا —— یہ وُہی کُبڑا تھا جسے اُنھوں نے پہلے دن لائبریری میں دیکھا تھا —— چند سیکنڈ گزرے ہوں گے کہ وُہ پھر تالاب کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ اور اس کا چکر لگا کر مغربی حصّے سے پرے بنے ہوئے مکانات کی سمت جا کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

"توبہ - میں سمجھا یہ پھیری والا ہے،" اسلم اطمینان کی سانس لے کر بولا۔ "میں تو اس سے کا بھاؤ پوچھنے لگا تھا۔"

"بڑے بہادر ہو!" جاوید نے کہا "آؤ۔ دیکھیں وُہ کہاں گیا ہے۔"

جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے وُہ تالاب کی طرف بڑھے اور پھر اُس جگہ پہنچ گئے جہاں کُبڑا اُنھیں پانی میں غائب ہوتا دکھائی دیا تھا —— یہ جگہ ایک ڈھلان کی صورت میں تھی۔ اس کا اُوپر کا حصّہ عمارت کی طرف تھا اور نچلا تالاب کی طرف۔ کچھ دیر وُہ اسے غور سے دیکھتے رہے اور سوچتے رہے کہ کُبڑے کے غائب ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ اچانک جاوید نے اسلم کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

تالاب کے کنارے جھاڑیوں کا ایک جُھنڈ تھا اور اس جُھنڈ کے پیچھے زمین سے ذرا اونچا لکڑی کا ایک چھوٹا سا دروازہ لگا ہوا تھا —— اس کے پٹ کھلے ہوئے اور اس میں سے نیچے کی طرف جاتی ہوئی سیڑھیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

"تو یہ تھی کُبڑے کے اچانک غائب نے کی وجہ" اسلم نے کہا "دُور سے ہمیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وُہ ایک دم پانی میں غائب ہو گیا ہے۔"

دونوں دوستوں نے احتیاط سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر نیچے اُترنے لگے۔ سیڑھیوں کے ختم ہونے پر اُنہیں سلاخوں کا ایک مضبوط دروازہ نظر آیا —— جس میں ایک بھاری قفل لگا ہوُا تھا۔ لیکن اِس وقت یہ قفل کھُلا تھا۔

وُہ اس دروازے سے گزر کر آگے بڑھے —— اب اُن کے سامنے اینٹوں کا بنا ہوُا ایک راستہ تھا۔ کوئی پانچ منٹ تک اس راستے پر چلنے کے بعد وُہ اُن سیڑھیوں کے سامنے جا پہنچے جو اُوپر کی طرف جاتی دکھائی دیتی تھیں ——

روشنی نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس لیے وُہ ہاتھوں سے ٹٹول ٹٹول کر سیڑھیاں چڑھنے لگے —— سیڑھیوں کے آخر میں بھی ایک دروازہ تھا جو دھکا دینے سے کھُل گیا —— وُہ خاموشی سے اندر داخل ہو گئے۔

اس کمرے کے ساتھ ایک اور کمرہ تھا۔ جس

میں مدھم سی روشنی تھی —— اسلم نے جرأت کر کے اُس کمرے کا دروازہ کھولا اور پھر دونوں دوست اندر گھُس گئے۔

یہ کمرہ ایک چھوٹی سی تجربہ گاہ معلوم ہوتا تھا اور اس کے دوسری طرف بھی ایک دروازہ تھا۔ اسلم اُس دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ جاوید اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

اچانک ایک آواز سنائی دی اور وُہ ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے —— انھیں اپنے بائیں طرف میز کے قریب کسی شخص کے کراہنے کی آواز سنائی دی تھی —— پہلے تو اُن کے جی میں آئی کہ اُلٹے پاؤں بھاگ جائیں لیکن پھر انھوں نے اپنے خوف پر قابو پا لیا اور آگے بڑھ کر میز کے نیچے جھانکنے لگے۔

میز کے تلے خالد، جوّاد حسین اور ڈاکٹر نفیس جکڑے پڑے تھے۔ اور مُنہ میں کپڑا ٹھُنسا ہوُا تھا۔ وُہ دونوں جلدی جلدی اُن کے ہاتھ پاؤں کھولنے لگے —— سب سے پہلے اُنھوں نے خالد کے ہاتھ پیر کھولے اور پھر جوّاد حسین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور ڈاکٹر نفیس کو آزاد کرا لیا۔

"شاباش میرے دوستو!" خالد نے جاوید اور اسلم دونوں کی پیٹھ پر تھپکی دی۔ "تم یہاں کیسے پہنچے؟"

جاوید نے جلدی جلدی تمام کہانی کہہ سنائی۔

"بہت خُوب" خالد نے کہا "جوّاد صاحب آئیے ہمیں آپ کے ابا جان کو یہاں سے باہر لے جانا ہے۔"

خالد اور جوّاد نے ڈاکٹر نفیس کو سہارا دے کر اُٹھا لیا۔ جاوید اور اسلم آگے آگے اُس راستے پر چل دیئے جس راستے سے وُہ یہاں آئے تھے۔ سیڑھیوں سے اُتر کر وُہ اینٹوں سے بنے ہُوئے راستے پر پہنچے تو اسلم نے اُن قدموں کی آواز سُنی جن کا ڈر اُن سب کو تھا — سامنے کُبڑا گھسٹتے ہوئے قدموں کے ساتھ سیڑھیاں اُتر رہا تھا۔

خالد اور جوّاد نے ڈاکٹر نفیس کو فرش پر بٹھا دیا اور دونوں لڑکوں کو پیچھے آ جانے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ چاروں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے

ہو گئے اور کُبڑے کے آنے کا انتظار کرنے لگے

کُبڑا بڑے اطمینان سے نیچے آیا۔ لیکن پھر ایک دم رُک گیا۔ شاید اُسے کسی کی موجودگی کا احساس ہو گیا تھا۔ یا شاید اُس نے ڈاکٹر نفیس کے بھاری سانسوں کی آواز سُن لی تھی — اُس نے رُک کر غور سے سامنے دیکھا اور پھر ایک چیخ مار کر واپس پلٹا — خالد اور جوّاد ایک دم اس پر جھپٹے اور اُسے فرش پر گرا لیا — لیکن فرش پر گرنے سے پہلے اُس نے چھت پر لگی ہوئی ایک زنجیر کھینچ دی تھی — اور اس زنجیر کے کھنچتے ہی اوپر موتی باغ کی عمارت میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی — خالد نے کُبڑے کے جبڑوں پر دو تین مُکے جڑ دیئے اور وُہ بے ہوش ہو کر ایک طرف گِر گیا۔

"جلدی کرو۔ باہر نکلو" خالد بولا۔

اُنھوں نے ڈاکٹر نفیس کو اُٹھایا اور جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھ کر تالاب کے کنارے پہنچ گئے — رات کا اندھیرا اُس وقت اُنھیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک بہت بڑی نعمت معلوم ہُوا —— چاند بادلوں میں چُھپا ہُوا تھا —— وُہ جھاڑیوں کی طرف بڑھے تا کہ اُن میں چُھپ سکیں۔

موتی باغ کی عمارت میں سے مختلف آوازیں آ رہی تھیں —— لیکن یہ آوازیں شور یا ہنگامے کی نہیں تھیں۔ بلکہ یُوں لگتا تھا جیسے سپاہیوں کی کسی پلٹن کو حکم دیئے جا رہے ہوں۔ کہ اِدھر آؤ اُدھر جاؤ —— یہ کرو اور وُہ کرو۔

شاید رستم علی نے اپنے آدمیوں کو پہلے سے تیار کر رکھا تھا —— یہ اُن کے لیے بڑی خطرناک بات تھی لیکن اس سے بھی زیادہ، خطرناک بات یہ تھی کہ اُوپر کی منزل کے کسی کمرے سے روشنی کی شعاعیں باغ کے احاطے میں پڑنے لگی تھیں —— ایسا معلوم ہوتا کہ ایک ساتھ کئی ٹارچیں جل رہی ہیں۔ خالد نے سوچا کہ اگر ہم جھاڑیوں میں نہ پُہنچے تو کوئی دم میں یہ روشنی ہمارا پتا چلا لے گی۔

آخر کار وُہ جھاڑی تک پُہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ پہلے جاوید اور اسلم، پھر ڈاکٹر نفیس کو

اٹھائے ہوئے خالد اور سب سے آخر میں جواد سبین جھاڑی کی طرف بڑھا لیکن جواد ابھی راستے ہی میں تھا کہ ٹارچ کی روشنی ایک لمحے کے لیے اُس پر پڑی —— اور پھر فوراً ہی انھیں اپنی طرف آتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں —— رستم علی کے آدمی انھیں گھیرے میں لے رہے تھے۔

خالد اور اُس کے ساتھی گھنی جھاڑیوں میں گھس گئے۔ وُہ اگر اکیلے ہوتے تو شاید اپنے دُشمنوں کو اپنا پتا نہ چلنے دیتے لیکن کمزور اور بیمار ڈاکٹر نفیس کی وجہ سے وُہ یہی کر سکتے تھے کہ کِسی جگہ ٹھہر کر رستم علی کے آدمیوں کا انتظار کریں اور جس طرح بھی ممکن ہو، ان کا مقابلہ کریں۔ خالد نے ڈاکٹر نفیس کو نیچے بٹھا دیا —— اور خود جھاڑی میں اِدھر اُدھر ہاتھ مارنے لگا کہ شاید کوئی ایسی چیز ہاتھ آ جائے جو ہتھیار کا کام دے سکے —— لیکن وہاں تو سوکھی ہوئی ٹہنی تک نہیں تھی —— اور رستم علی کے آدمیوں کے قدموں کی آواز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُن کے نزدیک آتی جا رہی تھی۔

عین اسی وقت انھیں گڑ گڑ گڑ کی آواز سنائی دی اور پھر کسی لاری کی لائٹوں نے موتی باغ کے سارے احاطے کو روشن کر دیا ——— رستم علی کے آدمیوں کے قدم رُک گئے اور وہ حیرانی سے اس طرف دیکھنے لگے ——— اتنے میں رُستم علی کی غصّے میں بھری ہوئی آواز آئی ——— وہ اپنے آدمیوں کو واپس آ جانے کا حکم دے رہا تھا ——— اب لاری تالاب کے قریب آ کر رُک گئی تھی اور اس میں سے سپاہی رائفلیں لیے باہر نکل رہے تھے۔ یہ دیکھ کر رُستم علی کے آدمی عمارت کی طرف بھاگنے لگے۔

"انسپکٹر اکمل،" خالد ایک دم خوشی سے چیخا اور جھاڑیوں میں سے نکل کر سیدھا لاری کی طرف بھاگا۔

یہ انسپکٹر اکمل ہی تھا۔ اُس نے اپنے سپاہیوں کو بدمعاشوں کا پیچھا کرنے کا حکم دیا اور ——— سپاہی تیزی سے اُن کی طرف لپکے۔ رُستم علی خود

تو عمارت کے اندر چھپنے میں کامیاب ہو گیا لیکن اس کے آدمیوں میں سے چار کو سپاہیوں نے پکڑ لیا اور اُنھیں انسپکٹر اکمل کے پاس لے آئے۔

"اب اُسے ڈھونڈنے کے لیے یہ ساری عمارت چھاننی پڑے گی۔" اکمل نے کہا "اس وقت یہ کام مشکل ہے۔ ہمیں صبح تک انتظار کرنا پڑے گا"

"صبح تک رُستم علی باہر نہ نکل جائے۔" خالد نے کہا "موتی باغ کے کئی خفیہ راستے ہوں گے"

"ہمیں ان راستوں کا کیسے پتا چلے" اکمل نے کہا:

"ان سے پوچھیے" خالد نے رُستم علی کے آدمیوں کی طرف اشارہ کیا۔

انسپکٹر اکمل نے اُن آدمیوں سے پوچھ گچھ شروع کی ——— پہلے تو خاموش رہے۔ لیکن جب اکمل نے اُنھیں یہ لالچ دیا کہ اگر تم رُستم علی کو گرفتار کرا دو گے تو تمھیں معاف کر دیا جائے گا تو وہ پولیس کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گئے ———

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پولیس نے موتی باغ کا چپّہ چپّہ چھان مارا۔
لیکن نہ تو رُستم علی کا کچھ پتا چلا اور نہ کُبڑے
کا ——— اُنھوں نے وُہ جگہ بھی دیکھی، جہاں
کُبڑے کو خالد نے مکّے مار کر گرایا تھا لیکن
وُہ وہاں بھی نہیں تھا ——— پھر اُنھوں نے
لائبریری سے ملی ہوئی خُفیہ تجربہ گاہ دیکھی۔
اس تجربہ گاہ کا بہت سامان غائب تھا ———
صرف میز اور چھاپے کی مشین موجُود تھی ———
فرش میں جو خُفیہ فرشی دروازہ بنا ہُوا تھا، وُہ
کھُلا تھا۔ سپاہیوں نے ٹارچ کی روشنی ڈال
کر نیچے کنوئیں کے پانی کو دیکھا ——— اس کی
سطح پر کچھ کاغذ وغیرہ نظر آ رہے تھے
لیکن کوئی انسان وہاں نہیں تھا ———
تھک ہار کر وُہ عمارت سے باہر آئے
اور تالاب کے قریب پُہنچے ——— تالاب کی
سطح پر دو لاشیں تیر رہی تھیں ——— ایک لاش
کُبڑے کی تھی اور دوسری رُستم علی کی ——— خالد
سوچ رہا تھا کہ شاید وُہ خُفیہ کنواں اور یہ
تالاب آپس میں ملے ہُوئے ہیں ——— رستم علی

اور کُبڑے نے پولیس سے بچنے کے لیے اُس
کنوئیں میں چھلانگ لگا دی ہو گی اور پھر تالاب
کے راستے باہر نکلنے کی کوشش کی ہو گی
لیکن کسی وجہ سے ناکام رہے ہوں گے۔ پولیس
نے دونوں لاشیں نکال کر اپنے قبضے میں
لیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاتمہ

اگلے دن پولیس نے موتی باغ کے ایک ایک کونے کی تلاشی لی۔ صبح تک یہ واقعہ تمام شہر میں مشہور ہو گیا تھا اور لوگ جو کبھی موتی باغ کے نام ہی سے کانوں کو ہاتھ لگاتے تھے۔ باغ کو دیکھنے کے لیے اُمڈے چلے آ رہے تھے۔

کئی دنوں کی تفتیش اور چھان بین کے بعد پولیس اس قابل ہوئی کہ رُستم علی کے کرتُوتوں پر سے پردہ اُٹھا سکے —— اور جب یہ پردہ اُٹھا تو جاوید، اسلم اور خالد ہی نہیں پسرور کے لوگوں کے علاوہ پولیس کے بڑے بڑے افسر بھی دنگ رہ گئے۔

رُستم علی ایک سمگلر تھا۔ اور وُہ سونے کی سمگلنگ کا کام کرتا تھا۔ اُس کے کارندے مختلف ملکوں سے چوری چھُپے سونا لاتے اور پھر اسے سرحد پار پہنچا دیتے۔ اس نے اپنے کام کے لیے بُہت سوچ سمجھ کر موتی باغ کو چنا تھا۔ ایک تو یہ جگہ بھُوت بنگلہ مشہور ہونے کی وجہ سے اسے کوڑیوں کے مول مل گئی، دوسرے ڈر کے مارے کوئی شخص اس طرف کا رُخ بھی نہیں کرتا تھا۔

سونے کی سمگلنگ کا کام اگرچہ بڑا فائدہ مند تھا لیکن وُہ اس نفع کو کافی نہیں سمجھتا تھا اس نے ساتھ ساتھ جعلی نوٹ بنانے کا کام بھی شروع کر دیا۔ اُس نے ایک ایسے شخص کو اپنے ساتھ ملا لیا جو چھپائی کے کام میں بہت ماہر تھا۔ جعلی نوٹ وہی آدمی بناتا تھا۔ لیکن پھر اتفاق ایسا ہُوا کہ یہ شخص ٹرک کے ایک حادثے میں مرگیا اور رُستم علی کا سارا کام چوپٹ ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے مرنے کے بعد رُستم علی نے کوئی اور شخص تلاش کرنے کی کوشش کی۔ چند ایک کاریگر اُسے ملے بھی لیکن ان کے کام میں کوئی نہ کوئی نقص رہ جاتا تھا۔ پھر کسی نے اُسے ڈاکٹر نفیس کے متعلق بتایا اور اُس نے ڈاکٹر کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ لیکن ڈاکٹر نفیس ایک شریف آدمی تھا اس نے رستم علی کو دھتکار دیا۔ اب رُستم علی نے ڈاکٹر کے اِغوا کا منصوبہ بنایا اور اُسے اُس وقت اغوا کیا جب وُہ ملک سے باہر تھا —— اسے پکڑ کر وُہ موتی باغ میں لے آیا اور اُسے مجبُور کیا کہ وُہ اس کے لیے جعلی نوٹ تیار کرے —— ڈاکٹر نفیس کے انکار کرنے پر رستم علی نے اس پر بے حد سختیاں کیں۔ اُسے بھوکا رکھا اور جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دی —— آخر ڈاکٹر نے اپنی جان بچانے کے لیے ہامی بھر لی اور رستم علی کو نوٹ چھاپنے کے لیے ضروری سامان لانے کی ہدایت کی۔ رستم علی یہی سامان خرید کر واپس پسرور آ رہا تھا کہ سٹیشن پر اسلم کی

سائیکل اس سے ٹکرا گئی ——

رُستم علی کو اس بات کا اطمینان تھا کہ کسی شخص کو ڈاکٹر کے متعلق پتا نہیں چلے گا —— اس نے لکڑی کے زینے کے نچلے ڈنڈے کٹوا دیے تھے تاکہ کوئی شخص اوپر نہ جا سکے ——

ڈی آئی جی صاحب پسرور کے ڈاک بنگلے میں بیٹھے خالد، جاوید اور اسلم کو یہ سب باتیں بتا رہے تھے۔ اُنھوں نے اُن تینوں کو مبارک باد اور شاباش دینے کے لیے بُلایا تھا —— یہ تمام رُوداد سُننے کے بعد خالد نے کہا:

"ہمیں خوشی ہے جناب کہ ہم نے اپنے ملک کی کچھ خدمت کی اور ان بدمعاشوں کا خاتمہ کرنے میں پولیس کا ہاتھ بٹایا۔"

"اس میں تو کوئی شک نہیں" ڈی آئی جی صاحب کہنے لگے "ہمیں آپ کی بات کا کسی حد تک یقین تو اُسی وقت آ گیا تھا۔ جب ڈاکٹر نفیس ہوائی جہاز سے نہیں اُترے تھے۔ لیکن رہی سہی کسر اُس وقت پُوری ہو گئی جب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس شیشی کے معائنے کی رپورٹ سامنے آئی جو آپ ہمیں دے گئے تھے۔ اِس شیشی میں ایک ایسا محلول تھا جو نوٹ چھاپنے والی روشنائی میں ڈالا جاتا ہے —— آپ اور آپ کے ان دوستوں نے ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے خالد صاحب"۔

"لیکن مجھے طارق کا بہت افسوس ہے" خالد نے کہا "اس معاملے میں وہی گھاٹے میں رہا ہے —— رُستم علی کے آدمیوں نے اُس کا اچھا خاصا مکان جلا کر رکھ دیا ہے —— میں جب یہ سوچتا ہوں کہ میں نے خواہ مخواہ اس کو اس مُصیبت میں گھسیٹ لیا تو اپنے آپ کو لعنت ملامت کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

"آپ اس کی فکر نہ کریں" ڈی آئی جی صاحب بولے "ہم اس کا خیال رکھیں گے کہ آپ کے دوست کا نقصان پُورا ہو جائے —— ہم آپ کو اور آپ کے دوستوں کو بھی کُچھ نہ کُچھ انعام ضرور دلوائیں گے"۔

"لیکن ہم نے کسی انعام کی خاطر یہ کام نہیں

کیا" خالد نے کہا "سچی بات یہ ہے کہ میں چند دنوں کی رُخصت لے کر اپنے دوست سے ملنے پسرور گیا تھا اور میری طرح جاوید اور اسلم بھی چھٹی منا رہے تھے"۔

اسلم نے ڈی آئی جی صاحب سے پُوچھا:

"لیکن آپ نے ایک بات تو بتائی ہی نہیں جناب! یہ رُستم علی کون تھا اور کہاں کا رہنے والا تھا۔ اس کے بال بچے اور رشتے دار وغیرہ بھی تو ہوں گے"۔

"ہاں" ڈی آئی جی صاحب مُسکرا کر بولے "یہ بات سب سے زیادہ دلچسپ ہے۔ اس کا اصل نام رُستم علی نہیں، کچھ اور ہی تھا —— ایک اطلاع یہ بھی ہے کہ وُہ موتی باغ کے مالک سلطان خان کی اولاد میں سے تھا —— سلطان خاں کے کئی وارث تو سیالکوٹ میں رہتے ہیں، لیکن وُہ ان سے الگ کہیں سرحد کی طرف رہتا تھا ——"

"تو پھر اس کی موت پھیری والے کی بد دُعا ہی کا نتیجہ ہے" اسلم نے سُوکھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سا مُنہ بنا کر کہا۔ اِس پر سب لوگ قہقہہ
مار کر ہنس پڑے۔

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام عبدالسلام پرنٹر اینڈ پبلشر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اے حمید کی
عنبر ناگ ماریا سیریز

بھیانک سفر، وہ بوتل میں بند ہو گئی	قبر کا شعلہ ، گنڈاب کی موت
شہزادی ناگن ، پیپرا جاسوس	خونی بالکونی ، چاندنی رات میں سانپ
ناگ پتھر بن گیا ، ناگ کراچی میں	خلائی تختی کا راز ، قبر کا عذاب
پتھر کی دلہن	کھوپڑی محل

بدروح جولی سانگ

فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

لاہور - راولپنڈی - کراچی

969 0 01209 6

Rs. 27.00